A Magazine of Urdu Literature and Poetry from London UK

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:84 ماہ دسمبر 2019ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

80 STRATHDONE DRIVE SW170PW LONDON

(M) 0044-7886-304637, 02089449385

www.qindeel-e-adub.co.uk ranarazzaq52@gmail.com

ऊर्दू अदब का अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन जो लंदन से प्रकाशित होता है

اُردو ادب کا بین الاقوامی میگزین جو لندن سے شائع ہوتا ہے۔

(رپورٹ: مشاعرہ آدم چغتائی صاحب (مرحوم) صفحہ 32 پر ملاحظہ فرمائیں)

(رپورٹ: ادبی محفل والتھم فاریسٹ صفحہ 5 پر ملاحظہ فرمائیں)

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم اور انڈین مسلم فیڈریشن کے باہمی تعاون سے ادبی محفل کا انعقاد (رپورٹ امجد مرزا امجد صفحہ 5 پر ملاحظہ فرمائیں)

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✓ Member National Landlord Association
- ✓ Member Deposit Portection Schemes
- ✓ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✓ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✓ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

آدم چغتائی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا ، عبد القدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے ، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا ۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کر دیا جائے گا۔مراسلہ نگاروں کی قدر کی جاتی ہے۔قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔شکریہ   رانا عبدالرزاق خاں

گزارش

مضامین نگار احباب سے گزارش ہے کہ قندیل ادب انٹرنیشنل میں شائع ہونے والے مضامین میں حوالہ جات ضرور دیا کریں۔اس سے مضمون کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔اسی طرح اس میں لگائی جانے والی تصاویر کسی کمپنی یا کسی شخص کی کاپی رائٹ نہیں ہونی چاہیے۔ادارہ اس قسم کی کوئی تصاویر شائع کرنے کا مجاز نہیں ہے جس کی ادائیگی کیلئے کوئی کمپنی ادارہ سے بعد میں رابطہ کرے۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

قندیل کے سات سال (اداریہ)	رانا عبدالرزاق خان	4
آپ کے خطوط	ادارہ	4
عمران خان ایک کامیاب لیڈر	اے آر خان	8
والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کی ادبی محفل	امجد مرزا امجد	9
غزلیات: شہزاد قیس، مدثر احمد نقاش، ڈاکٹر فضل الرحمن بشیر، اعظم نوید، افتخار راغب، مبارک صدیقی، ولی محمد عظمی، مسعود چودھری، بسم اللہ کلیم، احمد مشتاق، عبد السلام اسلام، محمد علی مضطر عارفی، عاصی صحرائی، اعظم نوید، فیض احمد فیض، نواب رانا ارسلان، ڈاکٹر منور کنڈے، عبدالکریم قدسی، طاہر عدیم، رضوان شاہد، انور ظہیر رہبر، راشد ملک رامش، پروفیسر ڈاکٹر ضیاء المظہری، بشریٰ بختیار خان، عبدالحمید حمیدی، ڈاکٹر عشرت معین سیما، مبارک احمد عابد، قتیل شفائی۔		10 تا 18
عدل فاروقی امریکہ میں	رجل خوشاب	19
زندگی ایک سفر	امجد مرزا امجد	20
نصیحت آموز لطائف	ابن لطیف	21
گنگناتی غزلوں کے شاعر، آدم چغتائی	امجد مرزا امجد	23
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	24
قادیان پہلے اسلام میں داخل ہوں	اے آر خان	26
لیجنڈ اشفاق احمد	ثقلین شاہ	27
پاک فوج زندہ باد	اے آر خان	28
ایک فکر انگیز اور متاثر کن واقعہ 2 پراٹھے خیرات	رجل خوشاب	29
پوپ کہانی انڈرسٹینڈنگ	مقصود الٰہی شیخ	30
روس کی عظمت	عاصی صحرائی	31
سخن فہمی	رانا عبدالرزاق خان	32
اکبر اور بیربل	مبشرہ ناز	34
کرتار پور راہداری	اوریا مقبول جان	35
آدم چغتائی کی یاد میں	مرزا عبدالرحیم انور	36
مشاعرہ بیاد آدم چغتائی	عاصی صحرائی	37
اظہار خیال فرخندہ رضوی خندہؔ	فرزانہ فرحت	38
لعنتوں کا موسم	اصغر علی بھٹی، نائیجر	40
ملعون لیڈر	طاہر احمد بھٹی	40
کرتار پور گوردوارہ (میں اپنے میکے آئی ہوں)	بی بی سی اردو سروس	41

قارئین سے گزارش ہے کہ اپنی سالانہ چندہ فیس نیچے دیئے گئے اکاؤنس نمبر میں ٹرانسفر کر کے ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ

HSBC London UK A/C 04726979

Sort Code 400500

رانا عبد الرزاق خاں

اداریہ:
قندیلِ ادب کے سات سال

آج ہم ۸۴ واں نمبر شائع کر رہے ہیں اور اُردو ادب کی خدمت میں شب و روز مصروف ہیں رسالے کو بعض دوستوں نے مذہبی نفرت کا نشانہ بنانے کی بھی ناکام کوشش کی۔ مگر ہماری نیت نیک تھی اسلیئے ہم کامیاب و کامران رہے۔ ہمارے شعراء ادباء احباب نے ہماری خوب مدد اور تعاون کیا۔ سارے ممالک خصوصاً انڈیا، بنگلہ دیش، پاکستان، خلیجی ممالک، یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، مشرق بعید سے سب اُردو نوازوں نے مسلسل رابطہ رکھا اور اپنا کلام اور مضامین ارسال کرتے رہے۔ اور میگزین مختلف اصناف کا کلام اور افسانے، روئیداد مشاعرہ، سوانح عمریاں، اور ادبی اور علمی تواریخ کو مسلسل سات سال سے مسلسل شائع کرتا رہا ہے۔ اس میگزین میں شائع شدہ خطوط اس میگزین کی کاوشوں کے گواہ ہیں۔ اگر معاون حضرات کی فہرست بھی شائع کی جائے تو بہت سے اوراق درکار ہونگے۔ ہمارے معاون بہت سے بے لوث ادیب اور شعراء ہیں جو مسلسل اس میگزین سے تعاون کرتے رہتے ہیں۔ ان میں امجد مرزا امجد کا نام سرفہرست ہے۔ اور کئی نام میں اپنے محسنوں کی اجازت کے بغیر ظاہر نہیں کر سکتا۔ بہت سے لکھاری افریقہ سے قلمی تعاون کرتے ہیں۔ بہت سے علمائے حق اس میگزین کی راہنمائی کرتے ہیں۔ کئی دوست تنقید برائے تعمیر سے اس میگزین کی مدد کرتے ہیں، کچھ احباب قندیل شعروسخن کے مشاعروں میں مسلسل آ کر ہمارا حوصلہ بڑھاتے رہتے ہیں، ہم اس فورم سے عرصہ دس سال سے تقریباً ایک صد کے قریب مشاعرے کرا چکے ہیں۔ جس میں بہت سے معروف شعراء حصہ لے چکے ہیں۔ جن کی فہرست بھی کافی طویل ہے۔ انڈیا کی بارہ ریاستوں میں بھی یہ رسالہ بذریعہ ای میل مسلسل جاتا ہے۔ کلکتہ، اڑیسہ، بہار، علیگڑھ، پٹنہ، بلکہ بہت سے شہروں میں اس رسالے کی ترسیل جاری ہے۔ اُردو پڑھنے والے تقریباً ساری دنیا میں موجود ہیں اور یہ رسالہ ہر ملک میں بھیجا جاتا ہے۔ اگر اسی طرح معاونین کا تعاون شامل حال رہا تو ہم انشاء اللہ اس میگزین کو جاری رکھیں گے۔ اور اسی جوش اور جذبے سے اس خدمت کو آخری سانس تک جاری رکھیں گے۔ انشاءاللہ۔

نوٹ: اس شمارہ میں ہم کچھ قارئین کی آراء کو شامل کر رہے ہیں جنھوں نے قندیل ادب کیلئے اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں نوازا، جزاکم اللہ

آپ کے خطوط

✔ امان اللہ ساغر کلکتہ لکھتے ہیں:

مدیرِ محترم ماہنامہ قندیلِ ادب لندن

محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

سب سے پہلے میں آپکا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپریل ۲۰۱۵ء کے شمارے میں میری غزل شائع فرمائی اور مزید یہ کرم فرمائی کہ رسالہ بذریعہ میل ہم تک مسلسل پہنچ رہا ہے۔ مئی ۲۰۱۵ء کا شمارہ بھی نظر نواز ہوا۔ رسالہ ظاہری اعتبار سے جس قدر دیدہ زیب ہے مواد کی فراہمی کے حوالے سے بھی دل نشیں اور دلکش ہے۔ نثری حصے سے لیکر شعری حصے تک تمام مشمولات قابلِ ستائش ہیں اور ذہن کو تحریک دیتے ہیں آپ اس رسالے میں صوفیائے کرام اور دانشوران حضرات کے اقوالِ زرّیں بھی شائع فرماتے ہیں جو یقیناً تعریف وتوصیف کے قابل ہیں نئے اور پرانے شعراء کے ادب پاروں کی شمولیت سے رسالہ اور بھی باوقار ہو گیا ہے۔ آپ نے طرح طرح کے مضامین شامل کر کے رسالے کو زندگی کے مختلف شعبوں کا ترجمان بنا دیا ہے۔ لندن جیسی سرزمین سے اس قدر معیاری رسالہ نکالنا بڑی بات ہے پروردگارِ عالم آپکے حوصلوں کو تقویت بخشے اور رسالے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین! ایک تازہ غزل ارسال کر رہا ہوں شائع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت کریں۔ شکریہ

✔ عامر امیر صاحب لکھتے ہیں: ”رانا صاحب اس بار آپ کا میگزین بہت ہی خوبصورت ہے۔ ایک حسین کاوش ہے۔“

✔ انور کینیڈا سے لکھتے ہیں: ”شکریہ میری غزل دینے کا۔ آپ اردو ادب کی بہت بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔“

✔ اسداللہ صاحب: ”شکریہ یاد رکھنے کا۔“

✔ ڈاکٹر کاشف بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

”رانا صاحب کسی لالچ کے بغیر اتنی اُردو کی خدمت ساری دنیا میں چند مٹھی بھر آپ جیسے لوگ ہی کر رہے ہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ آمین۔“

✔ منصور احمد قمر تحریر فرماتے ہیں: ”یہ آپ کی آئندہ نسلوں میں ادب کی آبیاری کیلئے ایک حسین اور کمال کاوش ہے۔“

✔ آدم چغتائی لکھتے ہیں: ”مسلسل کاوش کیلئے مستقل مزاجی ضروری

ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہوئی ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔‘‘

✔ محترم عرفان دہلوی صاحب جرمنی سے لکھتے ہیں: رانا صاحب قندیل بھیجنے پر شکریہ۔ ادب کی خدمت کرتے رہیئے ۔ خدا تعالیٰ آپ کی یہ خدمت قبول کرے۔ آمین

✔ سوہن راہی صاحب لندن سے رقم طراز ہیں: رانا صاحب آپ بہت ہی مشکل اور اچھا کام کر رہے ہیں۔ ایسا بہترین میگزین پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ جاری رکھیں۔ شکریہ۔

✔ ریاست رضوی صاحب لندن سے فرماتے ہیں: ادب کی خدمت بہت بڑا کام ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کے بلند مقاصد پورے کرے۔ آمین۔

✔ صغیر جعفر ٹیکساس سے لکھتے ہیں: آپ کا قندیل مل گیا ہے شکریہ بہت اچھا ہے۔

✔ شاہد قریشی کہتے ہیں: ڈیئر رانا صاحب شکریہ۔ آپ کا قندیل بھیجنے کا۔ اس میں کئی جگہ ڈبل تحریر اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔

✔ عبدالحئی بشارت کینیڈا سے لکھتے ہیں: رانا صاحب السلام علیکم
ایک ایڈیٹر کے لئے ایک شمارہ نکالنا بڑی محنت کا کام ہوتا ہے۔ میں اپنی طالب علمی کے دور میں المنار کا ایڈیٹر رہ چکا ہوں۔ لاہور سائیکالوجی کی تعلیم کے دوران راوی میں بھی لکھتا تھا۔ اب ٹورانٹو میں ہوتا ہوں۔ تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کینیڈا کا جنرل سیکرٹری ہوں۔ لہٰذا آپ کا میگزین بہت عمدہ ہے اور تعریف کے قابل ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے آمین۔

✔ جناب ہادی علی چوہدری کینیڈا سے رقمطراز ہیں: جناب رانا صاحب السلام علیکم۔ آپ ہمیشہ مجھے اپنا یہ انمول رسالہ بھیجتے ہیں اور میں ہمیشہ ہی اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ بہت ہی اعلیٰ اور چنیدہ شاعری۔ بہت کارآمد اقوال اور انتہائی علم و حکمت کی باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کارِ خیر کی بہترین جزا دے اور آپ کے اس ادب پارے کی قندیل کی لو کو بلند سے بلند تر کرتا جائے۔
جزاکم اللہ احسن الجزاء

✔ غازی مجاہد صاحب کینیڈا سے فرماتے ہیں: پیارے رزاق صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کسی دوست نے مجھے اکتوبر کا قندیل ادب بھیجا ہے۔ پڑھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی کہ آپ ساری دنیا میں یہ رسالہ ارسال کرتے ہیں اور سب ممالک سے لوگ اس میں اپنی من پسند غزلیں اور معلومات چھاپنے کیلئے بھی ارسال کرتے ہیں۔ آپ اس کاوش پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کیا یہ رسالہ پرنٹ بھی ہوتا ہے؟ شکریہ۔ آپ کے جواب کا منتظر۔ جواب: گزارش ہے کہ یہ رسالہ صرف قندیل کی ویب سائٹ پر ہی دستیاب ہے۔ (ادارہ)

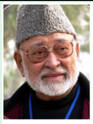

✔ محترم بی اے رفیق صاحب رقمطراز ہیں: بہت ہی اچھا میگزین ہے جس میں ادب لطیف بلکہ ہر قسم کا مواد شائع ہوتا ہے۔ اس میں شعر و شاعری، شعراء اور ادباء کا تعارف، سیاسی آرٹیکل، دنیا کے حالات حاضرہ، لطائف طنزیہ تبصرے، کتب پر تبصرے، مشاعروں کی روئیداد معلوماتی مضامین سے مزین ہوتا ہے۔ اللہ کرے زورِ قسم اور زیادہ۔

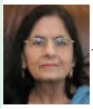

✔ محترمہ بی کوثر علی صاحبہ ماہر تعلیم لندن فرماتی ہیں: یہ میگزین دیارِ غیر میں ایک نعمت سے کم نہیں۔ اس نے دیارِ مغرب میں اُردو کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اس میں پڑھنے کو بہت کچھ مل جاتا ہے۔ اللہ آپ کی یہ خدمت قبول کرے۔

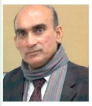

✔ محترم شفیق مراد جرمنی فرماتے ہیں: بہت اچھی کاوش ہے جاری رکھئے۔ اُردو زبان کی خدمت کر کے آپ ہمدردانِ اُردو کے مقام پر فائز ہیں۔

✔ محترم تسلیم الٰہی زُلفی کینیڈا فرماتے ہیں: آپ یہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں جو کہ بے لوث ہے اور اُردو زبان کی خدمت ہے۔ آپ کا کام قابل تحسین ہے۔

✔ محترم زکریا ورک صاحب لکھتے ہیں: مسلسل چار سال کے استقلال نے آپ کو عزت و رفعت عطا کی ہے۔ قندیل ادب اب ساری دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں قارئین اسے شوق و ذوق سے پڑھتے ہیں۔ حوصلہ نہیں ہارنا۔ ادب کی خدمت میں مگن رہیں۔ خدا آپ کو صحت والی طویل عمر دے۔ آمین۔

✔ محترم مجیب محمود انجینئر پاکستان سے لکھتے ہیں: سلام و آداب۔ آپ کی چار سالہ کاوش پر مبارک باد۔ ٹائیٹل پیج پر مظلوموں کی مساجد کو جلانے اور زبردستی قبضہ جمانے کی جو نام نہاد اسلام کے ٹھیکیداروں نے کرتوت کی ہے جو تصویر دی ہے یہ آپ کی بلند کردار کی عظمت کی دلیل ہے۔ خدا حق گو کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

✔ محترمہ طاہرہ زرتشت ناز صاحبہ ناروے سے رقمطراز ہیں:
محترم رانا صاحب السلام علیکم قندیل ادب انٹرنیشنل ملا۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ آپ کی مساعی میں برکت ڈالے۔ آمین بہت دلچسپ مضامین اور خوبصورت غزلوں سے رسالہ مزین ہے۔ اگر ممکن ہو تو ثاقب زیروی اور جون ایلیا کا کلام بھی دیا کریں۔ افسانہ لفٹ بہت پسند آیا۔ شکریہ۔

✔ محترم نعیم احمد راٹھور امریکہ سے لکھتے ہیں:
محترم رانا صاحب مدیر قندیل ادب انٹرنیشنل۔ آداب۔
شمارہ جنوری میں قلندر مومند کے ذکرِ خیر کو پڑھ کر دل کے پھپھولے جل اُٹھے۔

مجھے مرحوم سے 1960ء سے نیاز حاصل رہا۔ جب میں پشاور یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔مضمون نگار نے غالباً طوالت کے ڈر سے ان کی بہت سی خوبیوں کا تذکرہ کما حقہ نہیں کیا۔قلندر تذکرہ صاحبزادہ امتیاز صاحب سابق وفاقی محتسب کے بغیر تشنہ رہے گا جو کہ ان کے بہت ہی محب تھے۔اللہ تعالیٰ آپ کی قندیل ہمیشہ روشن رکھے۔امریکہ میں کوئی اکاؤنٹ بتادیں تو بندہ اس میں 40 ڈالر جلد ہی جمع کروا دے گا۔شکریہ

✓ ڈاکٹر عقیل اطہر صاحب امریکہ سے رقم طراز ہیں:

محترم مدیر صاحب آداب

پہلے یہ خوبصورت میگزین بی اے رفیق صاحب مرحوم ارسال کیا کرتے تھے۔ اب آپ کی طرف سے موصول ہوتا ہے۔شکریہ۔قندیل ادب کے معیاری اور ادبی مضامین اور عمدہ شاعری پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔اللہ آپ کی کوششوں میں مزید برکت ڈالے۔آمین۔میں بھی اشاعت کیلئے کچھ ارسال کروں گا۔

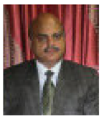

✓ سلیم انصاری جبل پور انڈیا سے لکھتے ہیں:

محترم مدیر صاحب آداب۔

قندیل ادب مسلسل موصول ہو رہا ہے اور میں اس کے مندرجات سے محظوظ بھی ہو رہا ہوں۔اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں اور قربانیوں کو قبول فرمائے، آمین

✓ عبدالنور عابد کینیڈا سے لکھتے ہیں: سابقہ شمارے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں میں برکت ڈالے۔آمین۔

✓ قیصر شہزاد پاکستان سے رقمطراز ہیں: آپ خوب لکھتے ہیں۔قندیل ادب دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔میری دعا ہے کہ اس کی روشنی ادبی دنیا کو خیرہ کر دے اور اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی لمبی عمر سے نوازے۔

✓ محترمہ ڈاکٹر رضیہ اسماعیل برمنگھم سے تحریر کرتی ہیں:

رسالہ قندیل ادب بھجوانے کا شکریہ۔نیز میری غزل شائع کرنے کا بھی۔میں نے رسالہ کے تمام مضامین کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور اس میں شامل تمام مضامین کو بہت ہی دلچسپ اور معلوماتی پایا ہے۔خاص طور پر وہ مضامین جو لارڈ بائرن۔ڈاکٹر عبدالسلام اور قرۃ العین حیدر کے بارے میں تھے۔ملاں حضرات کے متعلق آپ کا مضمون بھی کافی دلچسپ تھا۔آپ نے ملاؤں کے بارے میں جو لکھا ہے کہ ہم ان کے بغیر نہیں رہ سکتے۔البتہ ہم ان کو نشانہ تنقید تو بنا سکتے ہیں۔میں ہیلن کیلر کی بہت بڑی مداح ہوں جس کو مجھے لاہور میں میرے بچپن میں ملاقات کا موقعہ نصیب ہوا تھا جب وہ اپنے دور کے معروف مشہور علمی ادارے سینٹرل ماڈل سکول میں تشریف لائیں تھیں۔اس تعلیمی ادارے میں میرے چچا ہیڈ ماسٹر تھے۔میں نے جو سوشل ورک کا کیریئر اپنایا ہے وہ دراصل ہیلن کیلر سے انسپریشن حاصل کر کے ایسا کیا ہے۔ہیلن کو جو معذوریاں تھیں اس نے ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دنیا پر ثابت کر دیا کہ زندگی مسلسل تگ و دو کا نام ہے۔میں ہیلن اور صائمہ کو ان کی جدوجہد پر نیز اس طرح جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے سلام پیش کرتی ہوں۔فی الحقیقت یہ دونوں ان لاتعداد افراد کیلئے مشعل راہ میں جو اپنی معذوریوں کی بناء پر اپنی جدوجہد میں مصروف کار ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ یہ تمام افراد اپنی پوٹینشل کو حاصل کر سکیں اور کچھ حاصل کرنے کے جو خواب انہوں نے دیکھے ہیں وہ پورے ہو سکیں۔انسان کی کوشش رائیگاں نہیں جاتی ہمیشہ کچھ نہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ازراہ کرم صائمہ سلیم کو میری نیک خواہشات پہنچا دیں۔نیز مضمون لکھنے والے کو بھی میری شدید خواہش ہے کہ صائمہ سے رابطہ کر سکوں۔مستقبل میں تمام کامیابیوں کی دعا کے ساتھ۔اس کار خیر کو جاری رکھیں۔

✓ ندیم احمد فرخ گلگت۔بلتستان

مکرم و محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ماہنامہ قندیل ادب کا ماہ مئی کا شمارہ ملا۔ پڑھا اور بہت لطف آیا بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملا۔خدا آپ کی ٹیم کو اس کی جزاء عطا فرمائے اور اس رسالہ کو مزید ترقیات عطا فرمائے آمین۔ایک گزارش کرنی تھی کہ ماہ مئی کے شمارہ میں میرے دو مضامین شائع ہوئے تھے۔ پہلا مضمون بعنوان عقاب اور مرغی اور دوسرا تھا مذہب کا پیغام والدین کا احترام۔اس میں نام کی غلطی تھی میرا نام ''ندیم احمد فرخ'' ہے اور میرا تعلق گلگت بلتستان سے ہے۔مگر رسالہ میں میرا نام 'ندیم فرخ' بلتستان شائع ہوا تھا۔تمام ٹیم کو محبت بھرا سلام مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

✓ شفقت علی رانا لکھتے ہیں: بہت شکریہ آپ کی کاوشوں کو سلام پیش کرتا ہوں،

✓ نجم الثاقب کاشغری لکھتے ہیں: اگست کا شمارہ ایک دوست کی وساطت سے ملا۔سرورق پر بابائے پاکستان کی تصویر دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی لیکن پھر یہ خیال بھی آیا کہ قندیل ادب کا رسالہ تو 'انٹرنیشنل' یعنی ایک عالمی اردو رسالہ ہونے کا داعی ہے اردو بولنے لکھنے والے لاکھوں افراد 'سرحد پار' اُدھر بھی رہتے ہیں ان کا یوم آزادی بھی تو اگست میں ہی منایا جاتا ہے! پھر بنگلہ دیش میں اردو بولنے والے بھی ابھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔اسی طرح میانمار بھی ہے (برما جہاں ہمارے صاحب دیوان بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا مزار ہے) وہاں کے روہنگیا باشندے اپنے بچوں کو اردو لکھنا پڑھنا اور بولنا سکھانا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔پس شاید مجھے کوئی 'غدار' ہی سمجھے لیکن جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے تو اس کی دھوم محض پاکستان میں ہی نہیں بلکہ بقول شاعر سارے جہاں میں ہے۔

آپ کے خطوط

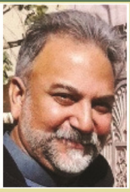

صدمبارک ''جشنِ پنج سالہ'' مبارک

ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔ آسٹریلیا

جگنو کی روشنی، بانسری کی لے، بچے کی کلکاری، اور ہواؤں کی گدگدی کی طرح فنکار اور تخلیق کار کا کوئی فرقہ، کوئی قبیلہ، کوئی ذات اور کوئی ڈومیسائل یا پاسپورٹ نہیں ہوتا۔

افسوس ہے ایسی ذہنیت پر جو کسی بھی تخلیق کار سے کسی بھی پہلو سے تعصّب برتے اور اس سے بھی بڑھ کر افسوس ایسے تخلیق کار کی ذہنیت پر ہوتا ہے جو خود تخلیق کار ہو کر بھی اپنے ہی جیسے کسی اور تخلیق کار سے تعصّب برتے۔ پاکستان کی سب بڑی ٹریجڈی، سب سے بڑا المیہ یہی رہا ہے کہ فرقہ وارانہ، لسانی، قومی تعصّبات کی دیمک ہمارے بعض بڑے بڑے تخلیق کاروں کو بھی گھن کی طرح اگر چاٹ نہیں تو اچھی طرح سے چکھ ضرور چکی ہے۔ یہی دیمک زدہ ذہنیت پوری قوم میں وائرل ہو چکی ہے، ایک ایسے وائرس کی طرح جو خود کو ایچ آئی وی (HIV) کی طرح بڑی تیزی سے ریپلیکیٹ (Replicate) کرتی رہتی ہے۔ سب کچھ آن ریکارڈ ہے لہٰذہ مثال دینے میں کوئی حرج، حجاب، قباحت یا عار آڑے نہیں، ابوالاثر حفیظ جالندھری جیسا اعلیٰ پائے کا تخلیق کار، اپنے ہم عصر ایک اور تخلیق کار ثاقب زیروی کے خلاف اخبارات میں شہہ سرخیاں لگواتا اور اس کاٹی اے ڈی اے منظور شدہ شرح سے کم کرواتا پھرتا ہے صرف اس لئے کہ ثاقب زیروی کا تعلق ایک مخصوص عقیدہ کی حامل جماعت سے تھا۔ اختلاف رائے اور چیز ہے اور تعصّب کچھ اور۔ ''ابوالاثر'' کا ذہن تعصب کے زیر اثر تھا، (واضح رہے کہ میرا یہ جملہ تعصّب نہیں بلکہ حقیقت پر مشتمل ہے) اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ''بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں'' کا نقیب اپنے تعصّب کو بھی کچھ ایسے زوروں سے منوا گیا کہ اس کے تعصّب کی اس رِیت (Legacy) کا زور ابھی بھی اس کے وطن پہ چل رہا ہے۔

اسی ثاقب زیروی پہ پابندی لگوائی جاتی ہے کہ وہ سٹیٹ میڈیا کے ہی نہیں بلکہ پبلک مشاعروں میں بھی شرکت نہ کرے باوجود اس کے کہ وہ تحریک پاکستان کا ایک ایسا شاعر تھا جسے قائداعظم کی تقریر سے قبل اپنا کلام سنا کر حاضرین کے دل گرمانے کا اعزاز حاصل تھا، جو گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین صاحب کی خصوصی درخواست پر افواجِ پاکستان کا مورال قائم بلکہ بلند کرنے کے لئے فوجی افسران اور جوانوں کو دبنگ آواز میں اپنا کلام سنایا کرتا تھا۔ اسی ثاقب پہ نہ صرف پابندی لگی بلکہ پاکستانی میڈیا بشمول اخبار ورسائل وجرائد نے اس کی تخلیقات کا بائیکاٹ اس کے مرنے کے بعد اب تک جاری رکھا ہوا ہے۔

کچھ یہی سلوک عبیداللہ علیم کے ساتھ روا رکھا گیا۔ اور یہ سلوک ثاقب اور علیم اور ان کے ہم عقیدہ (احمدی) تخلیق کاروں کے ساتھ ہی نہیں، کئی دوسرے تخلیق کاروں سے بھی روا رکھا جا رہا ہے۔ فی زمانہ'' ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل'' کو ہی یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ اس کے مدیر جناب رانا عبدالرزاق خان صاحب فنکاروں کے فن اور تخلیق کاروں کی تخلیق کو کمال وسیع المشربی، کمال وُسعت قلبی کے ساتھ اور بغیر کسی باریک در باریک دانستہ یا غیر دانستہ تعصّب کے، اپنے رسالہ کے صفحات میں جگہ دے دیتے ہیں۔ میں ان کے اس حوصلہ کی تمام وسعتوں کا اس وقت دل وجان سے معترف ہو گیا جب قندیل ادب کے صفحات میں میں نے ایک ایسے تخلیق کار کا کلام آراستہ دیکھا جنھوں نے ثاقب اور علیم کے روحانی امام کی شان میں گستاخانہ ہجو لکھ کر شہرت عام حاصل کی ہے۔ غالباً یہ محترم رانا صاحب موصوف کی اس اعجاز نما صفت (اور عادت) کہ وہ گالیاں سن کے دعا دیتے اور دکھ پا کے آرام، کا کرشمہ ہے کہ مذکورہ شاعر محترم رانا صاحب کی ''مجلس شعر وسخن برطانیہ'' کی مجالس میں بھی 'بلا خوف وخطر' شرکت کر لیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ رانا صاحب کی اس مجلس میں انہیں کسی تعصب، کسی نفرت، کسی طنز، کسی بے اعتنائی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس مجلس میں تو سب کے لئے محبت ہی محبت ہے اور نفرت کسی سے بھی نہیں۔

جگنو کی روشنی، بانسری کی لے، بچے کی کلکاری، ہواؤں کی گدگدی، فنکار کے فن اور تخلیق کار کی تخلیق کی طرح ''ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل'' کا بھی کوئی فرقہ، کوئی قبیلہ، کوئی ذات اور کوئی ڈومیسائل نہیں، یہ تو انٹرنیشنل یعنی عالمگیر ہے۔ ہاں یہ عالمگیر ہے انسانیت کی طرح، یہ عالمگیر ہے محبت کی طرح!۔

مسلسل اشاعت کے پانچ یادگار سال مکمل کرنے پر محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب اراکین مجلس ادارت، معاونین، خواتین وحضرات ادباء، شعراء وشاعرات اور جملہ قارئین قندیل ادب انٹرنیشنل کی خدمت میں ''صدمبارک جشنِ پنج سالہ مبارک!'' کا ہدیۂ تہنیت پیش ہے۔

***

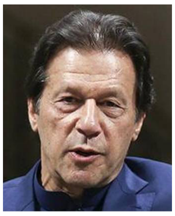

عمران خان ایک کامیاب لیڈر

اے آر خان

عمران خان نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک غیر معمولی ذہن کا مالک ہے۔ایک مغربی تہذیب میں پرورش پانے والا شخص ریاست مدینے کی بات کرتا ہے۔داڑھی دار بدمعاش مولویوں سے بڑھ کر اسلام کی بات کرتا ہے۔سب اسلامی ممالک کے سربراہ اپنی بیویوں کے سر پر دوپٹہ تک نہ اوڑھا سکے اور وہ اپنی بیوی کو اسلامی لباس پہنا کر سب سے بازی لے گئے۔ایک ماڈرن دنیا کا انسان حقوق العباد اور حقوق اللہ کی بات کرتا ہے۔سرحدی پٹھانوں کا روایتی سود ختم کرنے والا بھی ایک نیازی پٹھان ہے۔بچت اور کفایت شعاری کو رائج کرنے والا بھی عمران خان ہے۔امریکہ کا سفر کمرشل جہاز میں کرنے والا، اور ایک سفیر کے گھر میں ٹھہر کر سب احکام کو ملنے والا بھی قوم کو عمران خان بچت کا سبق دیتا ہے۔ساری دنیا کے سامنے مغربی تہذیب کو ننگا کہنے والا مسلم حجاب کی سپورٹ کرتا ہے۔برابری کی دوستی کا خواہاں ہے۔اور سر ظفر اللہ خان کے بعد کشمیر کے سفیر کا حق ادا کرنے والا بھی یہی عمران ہے۔ڈاکوؤں اور لٹیروں کے احتساب کا متوالا یہی عمران خان ہے۔ بھارت کو آنکھیں دکھانے والا بھی یہی ایک لیڈر ہے۔ساری دنیا کے سرمایہ داروں کو پاکستان میں انوسٹمنٹ کی ترغیب دینے والا بھی یہی عمران خان ہے۔اقلیتوں کے دل کی دھڑکن یہی عمران خان ہے۔ہر چیز پر ٹیکس لگا کر ملکی معشیت کو مضبوط کرنے والا کون ہے۔تاریخ پاکستان کو درُست بیان کرنے والا بھی یہی لیڈر ہے۔کانگرسی مولویوں کا کچہ چٹھہ بیان کرنے والا یہی مردِ مومن ہے۔مودودی اور مفتی محمود، سمیع الحق کے کردار کی قلعی کھولنے والا اور ان مکاتب فکر کو ایک شراب خور سے شکست دلانے والا بھی یہی لیڈر ہے۔کانگرسی اور متشدد نصاب کو درست کرنے والا یہی عظیم لیڈر ہے۔قائد اعظم کے مشن کو پورا کرنے والا بھی یہی لیڈر ہے۔بڑے بڑے شکست خوردہ قسم کے لیڈروں کے بسترے گول کرنے والا یہی لیڈر ہے۔تحریک پاکستان کی ترجمانی کرنے والا، قائد اعظم کے افکار کے مطابق پاکستان کو ترقی دینے والا لیڈر صرف عمران خان ہے۔تحریک پاکستان کے مخالف کانگرس نواز ملاؤں کی موت، لبرل اور موڈریٹ لیڈر یہی عمران خان ہے۔چوروں اور ڈاکوؤں کے گلے میں پھندے ڈالنے والا، پولیس، فوج، بیوروکریسی، اور سارے نظام کو راہِ راست پہ لانے والا یہی لیڈر ہے۔سرمایہ داروں کو ٹیکس لگانے والا یہی لیڈر ہے۔زرعی زمینوں پر ٹیکس لگانے والا، جاگیرداروں کو ٹیکس لگانے والا یہی لیڈر ہے۔اقلیتوں کو شہری حقوق دینے والا، تحریک انصاف کے منشور کے مطابق عدلِ فاروقی دینے والا یہی لیڈر ہے ۔مدرسوں میں یکساں نصاب بنانے والا ، حساب اور سائنس پڑھانے والا یہی لیڈر ہے۔ RAW, MOSAD,CIA کے باریش مسلم ایجنٹوں کو تہس نہس کرنے والا یہی لیڈر ہے۔ہر قسم کے مافیا کو زیر کرنے والا یہی لیڈر ہے۔سندھی دیش، بلوچستان، پختونستان کو یکجہتی سے چلانے والا یہی لیڈر ہے۔سب سے انصاف کرمنے والا یہی لیڈر ہے۔بے ایمانوں کی موت ہے۔غداروں کو شکار کرنے والا، علمائے سُو کے لئے سم قاتل ہے۔قوم کی آواز غربا کی آس واُمید یتیموں کا آسرا ہے۔اداروں کو بھیڑیوں سے پاک کرنے الا، میرٹ کو رائج کرنے والا، سچ بولنے والا، لیڈر عمران خان ہے۔اے میری قوم کے لوگو! آؤ کہ قوم کو ملا ہے ایک ثابت قدم لیڈر۔اس کی قدر کرو۔طوفانوں کا مقابلہ کرنے والا یہ شیر آپ کے ساتھ ہے۔جس کو دنیا جانتی ہے، پہچانتی ہے، اعتماد کرتی ہے۔اس کی ایک شہرت ہے، عزت ہے۔بطور انسان کے بطور کپتان کے۔پہلے لیڈروں کے کردار پر ایک نظر دوڑاؤ۔دیکھو کہ اس میں اور اُن میں کتنا فرق ہے۔

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم اور انڈین مسلم فیڈریشن کے باہمی تعاون سے ادبی محفل

رپورٹ و فوٹو
امجد مرزا امجد

لندن کی معروف ادبی تنظیم ’’والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم‘‘ کی یہ خصوصیت ہے کہ دوسری ادبی سماجی تنظیموں کے ساتھ مل کر بے شمار پروگراموں کا انعقاد کر چکی ہے۔اس بار لندن کی پرانی ادبی سماجی تنظیم ’’انڈین مسلم فیڈریشن‘‘ کے باہمی تعاون سے ایک یادگار ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں اسی کے قریب مرد و خواتین اور نوجوانوں نے شرکت کی۔ جبکہ اس ہال میں پچاس کرسیوں کی جگہ ہوتی ہے مگر تین گھنٹے کے پروگرام میں باقی تمام مرد و خواتین کھڑے رہے اور پروگرام کا لطف اٹھایا۔معروف بزرگ شاعر محترم شرف الدین شرفؔ کے پہلے مجموعہ کلام ’’زندگی ایک سفر‘‘ کی تقریب رونمائی کی گئی۔اس پروگرام کو معروف ڈرامہ نویس ڈائیریکٹر شمس الدین آغا صاحب نے مرتب کیا آپ ’’انڈین مسلم فیڈریشن‘‘ کے صدر و بانی ہیں اور آج کے پروگرام میں اکثریت بھی انہی کی فیڈریشن کے لوگوں کی تھی جس میں پوری کی پوری فیملز نے شرکت کی۔ اسٹیج پر تنظیم کے صدر ڈاکٹر رشید اختر ’’انڈین مسلم فیڈریشن‘‘ کے صدر اور آج کی ادبی محفل کے صدر جناب شمس الدین آغا صاحب۔صاحب کتاب شاعر جناب شرف الدین شرفؔ صاحب اور ان کے صاحبزادے شجاع الدین صاحب اور انڈیا سے اس محفل کے لئے خصوصاً تشریف لائی ہوئی محترمہ زہرہ جبیں صاحبہ جو انڈیا کے مشہور اسکول ’’انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول باندرہ ممبئ‘‘ کی ڈپٹی ہیڈ مسٹرس ہیں جلوہ افروز تھے ۔پروگرام کی نظامت حسب معمول امجد مرزا امجدؔ نے اپنے مخصوص انداز میں کی۔

امجد مرزا امجد نے پروگرام کی ابتدا اللہ کے مبارک نام سے کی جو بہت مہربان اور کرم کرنے والا ہے۔انہوں نے ’’زندگی ایک سفر‘‘ پر اپنا سیر حاصل مضمون پڑھا اور اسٹیج پر تشریف فرما مہمانوں سے کتاب کی رونمائی کی رسم ادا کروائی۔ رونمائی کے بعد امجد مرزا نے ’’زندگی ایک سفر‘‘ سے ایک غزل ترنم سے سنا کر خوب داد

پائی۔ اس کے بعد معروف ادیب ریس ریلیشن کے سابقہ ہیڈ، چار کتابوں کے مصنف کوئین کی جانب سے ایوارڈ یافتہ معروف سماجی شخصیت جناب قادر بخش صاحب نے کتاب پر نہایت خوبصورت مضمون پڑھ کر داد پائی۔ شمس الدین آغا صاحب کے تھیٹر کے سٹوڈنٹ، تھیٹر کے معروف اداکار جناب جہاں زیب سیفی صاحب نے صاحب کتاب اور کتاب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آج کی اس محفل میں شرکت کے لئے انڈیا سے تشریف لائی محترمہ زہرہ جبین صاحبہ، معروف تھیٹر اداکار، انڈین فلموں کے اداکار اور ہندی سروسز کے پیشکار اردو پنجابی شاعر جناب کرشن ٹنڈن، گجراتی اسٹیج کی معروف اداکارہ مشہور کمپنی ''دورس'' جو کلاسیکی میوزکل سی ڈی اور وڈیو بناتی ہے کی ڈائیریکٹر محترمہ حنا بخشی صاحبہ، شاعرہ اور مشہور سماجی کارکن محترمہ سحر مہدی صاحبہ نے شرف الدین شرف صاحب کی کتاب سے خوبصورت غزلیں نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیں۔

شرف الدین شرف صاحب کی نواسیوں قدسیہ بانو، خدیجہ مداری اور صوفیہ پٹیل نے ان کو پھولوں کے گلدستے پیش کئے۔ اسٹیج پر تشریف فرما محترمہ زہرہ جبین صاحبہ نے شرف الدین صاحب کو شال پہنائی اور انہیں اپنے اسکول کی جانب سے شیلڈ عطا کی۔ برطانیہ میں اسٹیج پر کئی کامیاب ڈراموں کے لکھاری ڈائیریکٹر و اداکار شاعر و ادیب جناب شمس الدین آغا صاحب، شاعر موصوف کے صاحبزادے شجاع الدین صاحب نے شاعر اور ان کی کتاب پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں محترم شرف الدین شرف صاحب نے اپنی کتاب سے ایک غزل کے چند اشعار پڑھ کر سنائے۔ شجاع الدین صاحب نے تمام مہمانوں اور اس محفل کو مرتب کرنے اور تعاون کرنے پر فرداً فرداً تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم اور امجد مرزا کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس کتاب کو کمپوز کر کے شائع کیا۔۔

آخر میں امجد مرزا نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور جگہ اور کرسیوں کی قلت سے پروگرام کے اختتام تک جو مرد و خواتین کھڑے رہے ان سے دلی معذرت کی۔۔ تمام مہمانوں کی پروگرام کی ابتدا پر نہایت مزیدار چکن و سبزی کے سموسے اور مزیدار چاٹ پیش کی گئی۔ چائے کا انتظام بھی اختتام تک قائم رہا۔ چار بجے اس یادگار محفل کا اختتام ہوا اور تمام مہمانوں نے حسب معمول لائبریری کے باہر گروپ تصاویر بنائیں۔ یاد رہے انشاء اللہ اگلا پروگرام یکم دسمبر کو اسی لائبریری کے ہال میں ایک بجے سے چار بجے تک ہوگا اور صرف مشاعرہ ہوگا کیونکہ اس بار پروگرام کی طوالت سے مشاعرہ کا انعقاد نہیں ہو پایا۔

غزلیات

شہزاد قیس

سانسوں میں بغاوت کا سُخن بول رہا ہے
تقدیر کے فرزند کا دِل ڈول رہا ہے
اَفلاک کی وُسعت پہ تلاطُم ہی تلاطُم
شاہین اَبھی پرواز کو پر تول رہا ہے
چیتے کی گرج دار صدا، قومی ترانہ
شیروں کا شروع سے یہی ماحول رہا ہے
پرواز کی قیمت پہ ملے رزق تو لعنت
غیور پرندوں کا یہی قول رہا ہے
دِہقان کے اِفلاس پہ دِل خون میں تر ہے
مزدُور کی حالت پہ لہُو کھول رہا ہے
ہر عَہد کی تاریخ میں بد ذات دَرِندوں
کے رُخ پہ تقدس بھرا اِک خول رہا ہے
یہ چاند ہے کشکول نہیں حاکمِ کِشور
پرچم کو ذرا دیکھ یہ کچھ بول رہا ہے
سونسلوں کے بچوں کو جنم دیتی ہے وُہ قوم
جس قوم کا منشور بھی کشکول رہا ہے
سرگِن کے بنا لیتا ہے،سِکّوں کے لفافے
باطل تیرے منصوبے میں یہ جھول رہا ہے
اِنسان ہی ہر چیز سے سستا ہے جہاں میں
اِنسان ہی ہر دور میں اَنمول رہا ہے
چپ چاپ ہے قیس آج بھی تاریخِ ندامت
اِنکارِ جُنوں کانوں میں رَس گھول رہا ہے

اُداسی

ڈاکٹر فضل الرحمن بشیر تنزانیہ

جان تنہا، جہاں اُداسی کا
ایک لمحہ گراں اُداسی کا
مٹ گئے سب نقوش اُلفت کے
رہ گیا اک نشاں اُداسی کا
ساری خوشیاں ترے مکاں تک ہیں
اور ادھر لامکاں اُداسی کا
ہجر کی دھوپ میں جھلستے رہے
میں اور اک سائباں اُداسی کا
آج مل کر گلے بہت رویا
وہ مرا رازداں اُداسی کا
روز اُٹھتا ہوں اور دیکھتا ہوں
آئینے میں دُھواں اُداسی کا
چھوڑ کر وہ گزر گیا، آگے
ایک منظر یہاں اُداسی کا
میرے اندر سما گیا سب کچھ
یہ زمیں، آسماں اُداسی کا

مدثر احمد نقاش

زمانے کو شاید بتانا پڑے گا
نیا رنگ اپنا دکھانا پڑے گا
قیادت، امامت، خلافت کی خاطر
جوانوں کو پھر سے جگانا پڑے گا
جنہیں خانقاہوں کی لت لگ گئی ہے
اُنہیں پھر سے میداں میں لانا پڑے گا
فقط تسبیحوں سے نہیں ملتی جنت
خدا کے لئے سر کٹانا پڑے گا
جو تاریکیوں کو مٹادے جہاں سے
دیا کوئی ایسا جلانا پڑے گا
جہاں پر محبت کا ہو بول بالا
کوئی شہر ایسا بسانا پڑے گا
تمہیں خود کو اُس پر چلانا پڑے گا
جو عاصی ہیں مغضوب ہیں ضالّین ہیں
تمہیں خود کو اُن سے بچانا پڑے گا

اعظم نوید

اپنے مرکز سے اگر دور نکل جاؤ گے
خواب ہوجاؤ گے افسانوں میں ڈھل جاؤ گے
اب تو چہروں کے خدوخال بھی پہلے سے نہیں
کس کو معلوم تھا کہ تم اتنے بدل جاؤ گے
دے رہے ہیں تمہیں جو لوگ رفاقت کا فریب
ان کی تاریخ پڑھو گے تو دہل جاؤ گے
اپنی ہی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے
خواب گاہوں سے نکلتے ہوئے ڈرتے کیوں ہو
دھوپ اتنی تو نہیں ہے کہ پگھل جاؤ گے
تیز قدموں سے چلو اور تصادم سے بچو
بھیڑ میں سست چلو گے تو کچل جاؤ گے
ہمسفر ڈھونڈو نہ رہبر کا سہارا چاہو

ٹھوکریں کھاؤ گے تو خود ہی سنبھل جاؤ گے
تم ہو اک زندہ جاوید روایت کے چراغ
تم کوئی شام کا سورج ہو کہ ڈھل جاؤ گے
صبح صادق مجھے مطلوب ہے کس سے مانگوں
تم تو بھولے ہو چراغوں سے بہل جاؤ گے

افتخار راغب

جِس کے پلّو سے چمکتے ہوں شہنشاہ کے بُوٹ
ایسی دربار سے بخشی ہوئی دستار پہ تھُو
جو فقط اپنے ہی لوگوں کا گلا کاٹتی ہو
ایسی تلوار مع صاحبِ تلوار پہ تھُو
شہر آشوب زدہ، اُس پہ قصیدہ گوئی
گنبدِ دہر کے اس پالتو فنکار پہ تھُو
سب کے بچوں کو جہاں سے نہ میسّر ہو خوشی
ایسے اشیائے جہاں سے بھرے بازار پہ تھُو
روزِ اوّل سے جو غیروں کا وفادار رہا
شہرِ بد بخت کے اُس دوغلی کردار پہ تھُو
زور کے سامنے کمزور، تو کمزور پہ زور
عادلِ شہر ترے عدل کے معیار پہ تھُو
کاٹ کے رکھ دیا دنیا سے تری راغب نے
اے عدو ساز، تری دانشِ بیمار پہ تھُو

زخموں کا بیوپار

کچھ دل کا حال پرکھنے کی
زخموں پر مرہم رکھنے کی
وہ رِیت پرانی، ختم ہوئی
وہ پریت کہانی، ختم ہوئی
جب درد کا داماں ہوتا تھا
اک کندھا، ساماں ہوتا تھا
جب عیب پہ چادر ہوتی تھی
جو زیست برابر ہوتی تھی
اب دور ہے عریاں ہونے کا
سب شرم حیا کو کھونے کا

(درویش) غزل

لکھے ہونگے کبھی کتابوں میں حوالے میرے
ہیں میرے آنسو ہی پاؤں کے چھالے میرے
اٹھا کے چاند میں زمین پہ دے ماروں گا
بڑی ہی گردش میں ہیں آج ستارے میرے
بڑا ہی پیار کرے ہے مجھ سے میرا حلقہءِ احباب
خوب ہی قصے ہواؤں میں اچھالے میرے
نا خدا چھوڑ گیا ہے مجھ کو بیچ بھنور
آ بچا لے مجھے اے چاہنے والے میرے
میں بازی پیار کی کھیلونگا تیری شرطوں پر
سارا نفع تیرا سارے خسارے میرے
نا خود کو دیکھنے کی حسرت رہے آئینے میں
تو اگر نظریں جو چہرے سے ہٹالے میرے
تو ہے دریا کی حسیں موج سا جا مجھ میں
میں ہوں سمندر نہیں ملتے کنارے میرے
میں خود ہی خود میں رہا قید کئی برسوں تک
تو نے ارمان دل سے باہر نکالے میرے
جو تیرا ساتھ نہ پاؤں تو میں اے جانِ وفا
میں چھوڑوں گا خود ہی باقی سہارے میرے
بڑا ہی وقت بتایا ہے میں نے سانپوں میں
تجھی تو زہر لگتے ہیں اب مقالے میرے
بعد جانے کے میرے ڈھونڈے گا کاروان مگر
نا ملے گا مرا کوچہ گلی نا ہی ٹھکانے میرے

مبارک صدیقی

میں صاف صاف یہ کہتا ہوں اِستعارے بغیر
مجھے بہشت بھی جانا نہیں تمہارے بغیر
مرا یہ فیصلہ ہے اور تم یہ جانتے ہو
میں فیصلے نہیں کرتا ہوں اِستخارے بغیر
تو اُس کو چاہئے جا کر دوکانداری کرے
جو شخص چاہتا ہو عشق بھی خسارے بغیر
سَنَد بھی چاہتے ہو اور اِمتحاں سے گُریز
سَحَر کی آرزو رکھتے ہو شب گزارے بغیر
میں اِسلئے بھی دُعا پر یقین رکھتا ہوں
کہ تم بھی سُنتے نہیں ہو مری، پکارے بغیر
وہ ماہ تاب ہے، ملنا تو با وُضو ہو کر
وہ جاں نِکال بھی لیتا ہے جاں سے مارے بغیر
میں چاہتا ہوں کہ دونوں ہی جیت جائیں ہم
میں چاہتا ہوں یہی ہو کسی کے ہارے بغیر
تو کیا یہ کم ہے کرامت، کہ جان لیتا ہوں
رضائے یار کو میں یار کے اِشارے بغیر
پڑا جو دشت سے پالا تو پھر یہ یاد آیا
کہ ایک شخص تھا دریا سا اور کِنارے بغیر
کھڑا ہوں پاؤں پہ جو میں تو تیری ستّاری
میں مُشتِ خاک ہوں مولا ترے سہارے بغیر
کمال یہ ہے مبارک کو بھی ملے اعزاز
کسی بھی اور کی دستار کو اُتارے بغیر

ولی محمّد عظمی

میلیاں اکھاں...دھونہ لئیے؟
کسے بہانے...رونہ لئیے؟

ایتھے اودھوں تکیا سی میں
ایتھے جھٹ کھلونہ لیئے؟
ہنجواں دے فیر موتی لے کے
تازہ ھار... پرونہ لیئے؟
نیپاں... خورے پانی نکلے
تھل دی ریت ای چونہ لیئے
آپ اوہ تھیں پھٹ دیوے تے؟
اک دی تھاں تے... دونہ لیئے؟
عظمی تیرے دکھ نئیں مکنے
رات گئی حُسن... سونہ لیئے؟؟

بسمِ اللہ کلیم

کوزہ گرِ ثانی (میرے والد)

اے مِرے کوزہ گر، مَیں بہت دیر تک
روبرو آئینہ رکھے بیٹھا رہا
مَیں نے ڈھونڈا، کُریدا، ٹٹولا بہت
میری نظروں میں تصویر بنتی ہے جو اُس میں
مَیں تو نہیں مَیں کہیں بھی نہیں
دست و بازو کو اپنے جو دیکھوں
تو مَیں اِن میں کیا دیکھتا ہوں
گرد آلود ہاتھوں میں تیری تھکن کے سوا کچھ نہیں
جو کہ میرے بدن کی رگوں میں رواں، سُرخ محلول ہے
یہ تری ہی رگِ جاں سے اُٹھتی ہوئی
آہنی ڈھول ہے، میری اُجلی چمکتی ہوئی
آنکھ میں جان بھی، تیرے اشکوں سے ہے
میری دستار کی یہ بھڑکتی ہوئی شان بھی
تیرے سپنوں سے ہے، تیرے ہونے سے ہی
میری پہچان ہے اے مِرے کوزہ گر
میں فقط عکس ہوں تُو مِری جان ہے

مسعود چودھری

اگرچہ قطرہ ہوں مگر اعتراف کرتا ہوں
سمندروں سے مگر اختلاف کرتا ہوں
دیئے کی لو مدھم سہی مگر ہے تو
شبِ سیاہ میں اس سے شگاف کرتا ہوں
مجھے ملی ہے وراثت میں سنتِ انبیاء
جو زیردست ہو دشمن تو معاف کرتا ہوں
مرے گواہ ضرورت سے بِک گئے ہونگے
ضرورتوں سے میں کب انحراف کرتا ہوں
وہ آنسوؤں میں ڈبو دیتا ہے لب و رُخسار
جو بات میں کبھی اُس کے خلاف کرتا ہوں
یہ کیا ہوا مری بے نیاز آنکھوں کو
گھڑی گھڑی ترے در کا طواف کرتا ہوں
جو آج مسندِ قاتل پہ جلوہ آرا ہیں
صلیب پائیں گے کل انکشاف کرتا ہوں
مرے ضمیر پہ لشکر کشی جو کرتے ہیں
ہر اک فیصلہ اُن کے خلاف کرتا ہوں
منافقت نہیں آتی کسی بھی طور مجھے
جو بات کرتا ہوں مسعودؔ میں صاف کرتا ہوں

عبدالسلام اسلام

وہ آئے ہمارے پاس اور آ کر چلے گئے
چُپکے سے اپنا دامن چھڑا کر چلے گئے
مطلوبِ دل جو تھا ہمیں مل کر بھی نہ ملا
موہوم سی جھلک وہ دکھا کر چلے گئے
موجِ غزل تھی ہر سُو اُچھلتی چلی گئی
جُوئے سُخن وہ کیسی بہا کر چلے گئے
چلمن تھی ہجر و وصل کی یا خواب تھا کوئی
ہرروز میرے پاس وہ آ کر چلے گئے
جس سے پیاس اور بڑھتی چلی گئی
کیسی شراب دید پلا کر چلے گئے
کیا جانئے فسوں تھا یا اعجاز تھا کوئی
آنکھوں میں گُھس کے دل میں سما کر چلے گئے
انگور کی شراب کا چسکا نہیں رہا
بادہ عشق کیسا پلا کر چلے گئے
سکہ جو چل رہا تھا وہ نظروں سے گر گیا
سکہ دلوں پہ اپنا بٹھا کر چلے گئے
شمس و قمر سے ان کا جونہی سامنا ہوا
رُخ سے حجاب قدرے ہٹا کر چلے گئے
وہ مجھ سے بڑھ کے نکلے میرے دل کے ترجماں
مطلوب دل سے وافر سُنا کر چلے گئے
تحفہ ملا اسلامؔ مجھ کو وہ لا جواب
وہ خود کو میرے دل میں سجا کر چلے گئے

احمد مشتاق

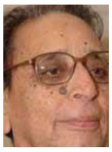

مل ہی جائے گا کبھی دل کو یقیں رہتا ہے
وہ اسی شہر کی گلیوں میں کہیں رہتا ہے
جس کی سانسوں سے مہکتے تھے در و بام ترے
اے مکاں بول کہاں اب وہ مکیں رہتا ہے
اک زمانہ تھا کہ سب ایک جگہ رہتے تھے
اور اب کوئی کہیں کوئی کہیں رہتا ہے
روز ملنے پہ بھی لگتا تھا کہ جگ بیت گئے
عشق میں وقت کا احساس نہیں رہتا ہے
دل فسردہ تو ہوا دیکھ کے اس کو لیکن
عمر بھر کون جواں کون حسیں رہتا ہے

محمد علی مظہرؔ عارفی

گرنے کو ہے مکان، مگر تم کو اس سے کیا
سر پہ نہ سائبان، مگر تم کو اس سے کیا
اس شہرِ بے اماں کے شعلوں کے درمیاں
میرا بھی ہے مکان، مگر تم کو اس سے کیا
انسان ہوں مَیں اور مرے سینے میں دل بھی ہے
منہ میں بھی ہے زبان، مگر تم کو اس سے کیا
وہ بھی تھا امتحان سرِ دشتِ نینوا
یہ بھی ہے امتحان، مگر تم کو اس سے کیا
کیا جانتے ہو کس نے اجاڑا بہشت کو
تم ہی نے میری جان! مگر تم کو اس سے کیا
کرتب تمھارے دیکھ کے حیرت میں ہے زمیں
ششدر ہے آسمان، مگر تم کو اس سے کیا
اب ڈھونڈتے پھرو ہو عبث اپنے آپ کو
ہے جان نہ جہاں، مگر تم کو اس سے کیا
جاگو کہ رات ختم ہوئی، صبح ہو چکی
ہونے کو ہے اذان، مگر تم کو اس سے کیا
مظہرؔ تمھارے سائے سے بچ کر نکل گیا
اللہ کی ہے شان، مگر تم کو اس سے کیا

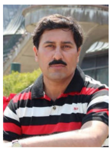

تازہ کاوش
اعظم نوید

اس کی چوکھٹ پہ سدا دُھونی رُماتے رہیے
ایک ہی سُر سے حسیں تال مِلاتے رہیے
اس سے بڑھ کے نہیں دنیا میں سعادت کوئی
در پہ یزداں کے ہی سر اپنا جُھکاتے رہیے
عظمتِ انساں کا ہے راز اسی میں مُضمر
ساری دنیا میں حسیں پُھول کِھلاتے رہیے
اک عجب دورِ جہالت ہے زمانے بھر میں
اپنے حصے کا کوئی دیپ جلاتے رہیے
کتنی پیاری ہے مرے پیارے نبیؐ کی سُنت
دُشمنوں کو بھی گلے بڑھ کے لگاتے رہیے
سیج کانٹوں کی اسے کہتی ہے دنیا ساری
زیست کا بار بھی ہنس ہنس کے اُٹھاتے رہیے
اپنے اخلاص و مروت سے جہاں کو جیتو
اس حسیں دنیا کو خوشیوں سے سجاتے رہیے
ختم ہوجائے گی دنیا سے جہالت اک دن
رب کی توحید زمانے کو بتاتے رہیے
زندگی وقف کرو راہِ ہُدیٰ میں ساری
نفسِ اَمارہ کی آتش کو بُجھاتے رہیے
اس میں انساں کی چُھپی ایک ہے اعلیٰ ظرفی
دُشمنِ جاں کو سر آنکھوں پہ بٹھاتے رہیے
ساری دنیا ہے گھری کرب و بلا میں اعظمؔ
اپنی باتوں سے زمانے کو ہنساتے رہیے

غزل

دل گمشدہ کبھی مل ذرا
کسی خشک خاک کے ڈھیر پر
یا کسی مکاں کی منڈیر پر
جہاں لوگ ہوں اسے چھوڑ کر
کسی راہ پر کسی موڑ پر
دل گمشدہ
مجھے وقت دے میری بات سن
میری حالتوں کو تو دیکھ لے
مجھے اپنا حال بتا کبھی
کبھی پاس آ کبھی مل سہی
میرا حال پوچھ، بتا مجھے
میرے کس گناہ کی سزا ہے یہ
تو جنوں ساز بھی خود بنا
میری وجہ عشق یقیں تیرا
ملا یار بھی تو تیرے سبب
وہ گیا تو تو بھی چلا گیا
دل گمشدہ
یہ وفا ہے کیا
اسے کس ادا میں لکھوں بتا
اسے قسمتوں کا ثمر لکھوں
یا لکھوں میں اسکو سزا سزا
دل گمشدہ دل گمشدہ

عاصی صحرائی

زباں کے تلخ دل کے پیارے ہوتے ہیں
یہ ماں باپ سب کے سہارے ہوتے ہیں
بھول سے بھی کسی پہ اعتبار مت کرنا
دل پھینک یہ سب کنوارے ہوتے ہیں
دہر محبت کا قانون الگ ہوتا ہے
وہاں کے مفاد بھی خسارے ہوتے ہیں
ہر کسی کی اپنی اپنی مرضی ہے
دنیا میں سب نے کئی روپ دھارے ہوتے ہیں
وقت انہی کی فتح کا اعلان کرتا ہے
زمانے کی نظر میں جو ہارے ہوتے ہیں
ذرا بلندی سے غور کرکے دیکھیئے
دھرتی پہ قندیل جیسے ہی ستارے ہوتے ہیں

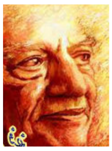

فیض احمد فیض

چلو اب ایسا کرتے ہیں ستارے بانٹ لیتے ہیں
ضرورت کے مطابق ہم سہارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کرنے والوں کی تجارت بھی انوکھی ہے
منافع چھوڑ دیتے ہیں خسارے بانٹ لیتے ہیں
اگر ملنا نہیں ممکن تو لہروں پر قدم رکھ کر
ابھی دریائے الفت کے کنارے بانٹ لیتے ہیں
میری جھولی میں جتنے بھی وفا کے پھول ہیں ان کو

اکٹھے بیٹھ کر سارے کے سارے بانٹ لیتے ہیں
محبت کے علاوہ پاس اپنے کچھ نہیں ہے فیض
اسی دولت کو ہم قسمت کے مارے بانٹ لیتے ہیں

نواب رانا ارسلانؔ

اے ساقی جام اب پیاسوں کو پلایئے
میخانے کا راستہ اب ہمیں بھی دکھایئے
ہمیں دیکھ کر کچھ تو خیال کیجے
شکستہ بالی میں اب اور تھوڑا ستایئے
چوٹ کھانے کے بعدا ندازہ ہے یہ
کہ تمنّا ہے ہمیں پھر سے آزمایئے
آپ کو بھی دیوانہ بنا دیں گے
ذرا بزمِ سخن میں آپ بھی آیئے
اس محفل میں رنجیدہ شخص بھی ہنستا ہے
یہاں بیانِ درد پہ آپ آنسو نہ بہایئے
جنونِ عشق لے کر ہمارے پاس وہ آئے
ناز و ادا سے ہم بولے ارے نہ گھبرایئے
ہمارا تو کام ہے عشاق کے کام آنا
ہمارا حوصلہ دیکھیئے ذرا ہاتھ تو ملایئے
ارسلانؔ ہم تو ٹھہرے وقت کے شاعر
سُخن آزمائی اب میری غزل میں پایئے

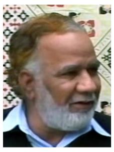

عبدالکریم قدسی

شوہر ایسا ہو تو بہتر ہے

بہت زیادہ نہیں پر تھوڑا سادہ ہو تو بہتر ہے
مرا شوہر جسے ہونا ہے ایسا ہو تو بہتر ہے
وہ ایسا ہو کہ دکھنے میں تو شہزادہ سا لگتا ہو
طبیعت سے مگر درویش زادہ ہو تو بہتر ہے
نہیں ایسا بھی نا ہو کہ وہ بھیگی بلی جیسا ہو
بہت ہی شاذ، بلکل شاذ غصہ ہو تو بہتر ہے
کبھی میک اپ کروں جو میں تو تعریفوں کے پل باندھے
بنا میک اپ کے بھی برداشت کرتا ہو بہتر ہے
وہ شاپنگ پر جو لے جائے تو حاتم طائی لگتا ہو
وہ دورانِ خریداری نہ تھکتا ہو تو بہتر ہے
میں گھر آ کر جو دیکھوں گی تو کچھ چیزیں نہ بھائیں گی
تو وہ تبدیل کرنے پھر سے جاتا ہو تو بہتر ہے
نہ ایسا ہو کہ غصے میں وہ گھر سر پر اٹھاتا ہو
بجائے گھر مرے نخرے اٹھاتا ہو تو بہتر ہے
بہت زیادہ بھی سنجیدہ نہ ہو کہ خشک لگتا ہو
کبھی وہ چٹکلوں سے دل لبھاتا ہو تو بہتر ہے
نصیبوں سے اگر سرتاج کا دل شاعرانہ ہو
تو میرے حسن پر بھی شعر کہتا ہو تو بہتر ہے
میں جیسا بھی پکاؤں شوق سے وہ کھا بھی لیتا ہو
کبھی ہوٹل سے بھی وہ لے کے آتا ہو تو بہتر ہے
پڑھا لکھا ہو سلجھا ہو وہ سب کا خیال رکھتا ہو
خلاصہ یہ کہ فرض اپنے نبھاتا ہو تو بہتر ہے

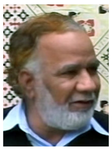

عبدالکریم قدسیؔ

نرم لہجے میں ہے انداز اذانوں جیسا

خوف کے تیر ہیں رستہ ہے کمانوں جیسا
میرا انجام ہے مخدوش مچانوں جیسا
کس کی ہمت تھی بھلا آ کے بسیرا کرتا
سینہ و دل تھا مرا اُجڑے مکانوں جیسا
زندگی ٹیڑھی لکیروں میں اُلجھ کر گزری
نقشہ قسمت کا تھا مدفون خزانوں جیسا
گھر کی دیواریں مہا جن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول تھا مقروض گھرانوں جیسا
کاشت کرتا ہے اُگاتا ہے نئی نت فصلیں
جذبۂ شوق میرا بوڑھے کسانوں جیسا
شعر قدسیؔ کے نیا خون عطا کرتے ہیں
نرم لہجے میں ہے انداز اذانوں جیسا
(انتخاب از’’اشک رواں)

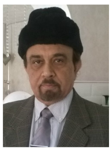

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

حاسِدین

مخلوق ہیں عجب ہی ہمارے یہ حاسدین
ہے ان کو سازگار ہر ملک کی زمین
موجود ہر جگہ ہیں یہ، جاپان ہو کہ چین
کہلائیں حاسدین ہی تو مارِ آستین
کرتے حسد ہیں اپنوں سے،بُغضیلے لوگ ہیں
یہ آستیں کے سانپ ہیں زہریلے لوگ ہیں
ہر قوم ہر قبیلے میں یہ پائے جاتے ہیں
یہ رسمِ حسد سینہ بہ سینہ نبھاتے ہیں
صد شکر ! ان کو مولیٰ نے قدرت نہ کی عطا
ورنہ تو بنا دیتے یہ شاہوں کو بھی گدا
آغوشِ حسد میں یہ سدا پلتے رہتے ہیں
یعنی اسی آگ میں یہ جلتے رہتے ہیں
افسوس یار دوست ہیں یہ رشتے دار ہیں
بدخواہ پھر بھی چاہیں بُرا نابکار ہیں
اس قومِ بے عمل کا مقدر ہے پستیاں
یہ چاہیں ہوں نہ ہم کو بھی حاصل ترقیاں
حالانکہ بھی خواہ یہ خود کو جتاتے ہیں
گر ہم تباہ ہوں تو یہ خوشیاں مناتے ہیں
افسوس ! کہ بد خواہ ہیں، بد بخت، بدترین
پھر بھی ہمارے اپنے ہی کہلائیں حاسدین‘

طاہر عدیم

کہیں دیوار ہے تو در غائب
اور کہیں پر ہے سارا گھر غائب
ہم سفر ہے کہیں، سفر غائب
ہے سفر گر تو ہم سفر غائب
اے خدا کون سا طلسم ہے یہ
جسم موجود ہیں پہ سر غائب
شوقِ پرواز ہے سبھی میں مگر
طائرانِ چمن کے پر غائب
میں بھی بیعت کروں بہ دستِ ہنر
دردِ دل کو جگر سے کر غائب
مجھ پہ پڑتی نہیں کوئی بھی نظر
میں بھی محفل میں ہوں مگر غائب
تم رہو آنکھ میں تو بہتر ہے
دور ہوں گر تو بحر و برّ غائب
یا تو موجود ہی نہیں وہ رہا
یا ہوئی آنکھ سے نظر غائب
عشق کے بام پر وہ ہے موجود
کاسۂ شام سے قمر غائب
قحط کیسا پڑا ہے اب کے برس
دستِ فنکار سے ہنر غائب
سامنے منزلیں سبھی معدوم
مڑ کے دیکھوں تو چارا گر غائب
زخم طاہر عدیم کیسے بھرے
ہر دوا سے ہوا اثر غائب

یادداشت کی کمزوری کا میٹھا علاج

روزانہ عصر اور مغرب کے درمیان
ایک وقت مقرر کر کے تازہ گرم جلیبیاں
کھائیں دماغی کمزوری دور ہوگی خاص
طور پر جو بچے قرآن حفظ کر رہے
ہیں ان کیلئے بہت لاجواب ہے۔

رضوان شاہد

دل کے مہمان۔ بیادِ حضرت خلیفہ رابع

دل میں اک بزم کا سامان کئے بیٹھے ہیں
ہم تمہیں آج بھی مہمان کئے بیٹھے ہیں
اب بھی دیدار تصور میں ہے سو روئے ادب
دھڑکنوں تک کو بھی سنسان کئے بیٹھے ہیں
رات اک محفلِ تسکین مہ انجم تھی
صبح یک لختِ غمِ جان کئے بیٹھے ہیں
چاہنے والے ہوئے ٹوٹ کے بے دم ایسے
جان بے جان مری جان ! کئے بیٹھے ہیں
یا الٰہی ! کہیں ایسا بھی تو ساماں کردے
تیری قدرت پہ ہم ایقان کئے بیٹھے ہیں
یوں لگے آپ ہوئے پھر یونہی جلوہ افروز
اور ہم دید کے سامان کئے بیٹھے ہیں
وہی جلوے ہوں وہی رنگ وہی ایم ٹی اے
پھر وہی مجلس عرفان کئے بیٹھے ہیں
ہم تصور میں بسائے رہیں یہ گل یہ چراغ
آس کا دل میں یہ طوفان کئے بیٹھے ہیں
کاش حاصل ہو وہیں گھر کی ترے در بانی
نام اسی واسطے ''رضوان'' کئے بیٹھے ہیں

راشد ملک رامش

راضی اور الجھتی آنکھیں
مانی اور... مکرتی آنکھیں
منظرِ صبح کاذب جیسا!!
اُٹھتی پلکیں، کھلتی آنکھیں
ہیں اُمید و بیم کا ماخذ
تیری جلتی، بجھتی آنکھیں
ہاتھ مری آنکھوں پر رکھ دو
جینا چاہیں، مرتی آنکھیں
انگڑائی وہ لے کے اُٹھی ہے
ہاتھ سے اپنی ملتی آنکھیں
روپ تیرا الگ ہے جاناں
کھلتا چہرہ، ہنستی آنکھیں
تم سے پیار ہے، کہنا چاہیں
تیرے حسن پہ مرتی آنکھیں
ہم کو تیرے ہجر کی بخشش
آہِ سرد، برستی آنکھیں
یہ میری جاگیر ہیں رامشؔ
اُجڑا چہرہ، بجھتی آنکھیں

انور ظہیر رہبر

کوئی مجھے بتائے میں کیا دیکھ رہا ہوں
چہرہ ہے اس کا یا کہ خدا دیکھ رہا ہوں
پتھر کے ہو چلے ہیں میرے ہاتھ اے خدا
لاتی ہے اثر کب ہو دُعا دیکھ رہا ہوں
خود ہی وہ مٹ گیا جو مٹاتا تھا اور کو
دنیا میں بھی ملی ہے سزا دیکھ رہا ہوں
واعظ تھے وہ ظالم ہوئے اور ہوگئے امیر
اب کون سی پہنیں گے قبا دیکھ رہا ہوں
دیکھے کئی ہیں چہرے مگر وہ ملا نہیں
ہر روپ میں میں اس کی ادا دیکھ رہا ہوں
پیتا ہوں میں شراب کہ غم کو بھلا سکوں
میں جام میں امید دوا دیکھ رہا ہوں
مہمان ہوں گے آج وہ رہبرؔ کے سنا تھا
دستک ہوئی ہے جاکے ذرا دیکھ رہا ہوں

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء المظہری

آشوبِ وطن (ماخوذ)

شہر خالی رستے خالی گلیاں خالی خانہ خالی
جام خالی میز خالی ساغر و پیمانہ خالی
چل دیئے ہیں دوستوں اور بُلبلوں کے قافلے
باغ خالی شاخیں خالی اور خالی گھونسلے
وائے اے دنیا کہ یار اب یار سے ڈرنے لگے
پیاسے غنچے اپنے ہی گلزار سے ڈرنے لگے
عاشق اب محبوب کے دیدار سے ڈرنے لگے
موسیقار اب ساز ہی کے تار سے ڈرنے لگے
شہسوار اب رستۂ ہموار سے ڈرنے لگے
دیکھنے کو چار گر بیمار سے ڈرنے لگے
ساز ٹوٹے اور درد شاعراں حد سے بڑھا
شاق گزرا ہم پہ تم پہ انتظار سال ہا
جو شناسا تھے ہمارے ہوگئے ناآشنا
ایسا کہنا بھی ہے جیسے کوئی آفت یا بلا
نالہ و شیون کیا ہر در پہ دی میں نے صدا
خاک ویرانہ سے اپنے سر کو آلودہ کیا
پھر بھی ساکت پانیوں میں کوئی نہ حرکت ہوئی
خوابِ غفلت میں جو ڈوبے آنکھ نہ ان کی کھلی
خشک چشمے ہوگئے دریا بہت ہی کم رواں
آسماں بھی ہنس دیا سن کر ہماری داستاں
عشق محروم حبیب جام خالی جوش سے
ہمدرد کوئی بھی نہیں جو میرے نالے کو سنے
لوٹ آؤ تاکہ لوٹیں جانے والے قافلے
لوٹ آؤ پھر اُٹھائیں ناز اہلِ ناز کے
لوٹ آؤ تاکہ لوٹے مطرب و آہنگ وساز
زلف پھیلاؤ کہ لوٹے پھر نگار دل نواز
در پہ حاضر مظہری ہوں حافظ شیراز کے
پھول برسیں چھلکیں ساغر و مےء خوش انداز کے

بشریٰ بختیار خان

ستم جب سے روا ہونے لگے ہیں
کئی چہرے خدا ہونے لگے ہیں
ہوئے ہیں طُور پر جلوہ نما وہ
انہیں سجدے ادا ہونے لگے ہیں
یہ قسمت نے مجھے دھوکا دیا ہے
یا پھر وہ بے وفا ہونے لگے ہیں
وہ میرے خواب میں آتا نہیں ہے
مرے سجدے قضا ہونے لگے ہیں
بڑھا جاتا ہے بشریٰ اُن کا رتبہ
جو اُن کی خاکِ پا ہونے لگے ہیں

ڈاکٹر عشرت معین سیما

یہ تماشے ہیں ترے جگ کو دکھانے والے
ہم تری جادو گری میں نہیں آنے والے
اتنا دھوکا ہے وہاں جھوٹ کا بازار گرم ہے
خیر! ہم بھی ہیں یہاں سچ کو چھپانے والے
دلربا! چھیڑ ذرا سازِ محبت اپنا
ہم ہیں دنیا کو نئے راگ سنانے والے
چند لمحوں کی عنایت تھی ساعت مجھ کو
یہ لمحے تھے گلے شکوے مٹانے والے
دھوپ اور تیز ہواؤں نے گواہی دی ہے
پیڑ پر اب کے ثمر ہیں نہیں آنے والے
جائیے ! اپنی محبت بھی یہ لیتے جائیے
ہم کو مل جائیں گے اور ناز اُٹھانے والے
جہاں اپنوں نے کوئی روگ لگایا ہو وہاں
غیر سے کوئی دلاسے نہیں آنے والے
اب کے دیوالی پہ کچھ ایسی ہوا تیز ہوئی
بجھ گئے سارے دیئے گھر کو سجانے والے
دل تک آیا ہے زمانے کی وہ راہ سے سیمآ
جب کہ انداز نہ تھے اس کے زمانے والے

عبدالحمید حمیدی۔کینیڈا

اِس شہر میں جنگل کا لہو بول رہا ہے
کیوں خاک میں صندل کا بدن ڈول رہا ہے
خالی ہے مکاں کس لئے اب دیتے ہو دستک
در بند ہے دستک کا بھرم کھول رہا ہے
آندھی ہے قیامت کی اڑا دے گی نشیمن
طائر ہے کہ پرواز کو پر تول رہا ہے
پھر سوز بھرے ساز میں آواز ملا کر
یہ کون ہے جو روح کے در کھول رہا ہے
ٹھہرا ہے سزا وار ہمیشہ ہی یہاں عشق
یہ مشغلہ پھر بھی سدا انمول رہا ہے
چن لیتا وہ اس کو سجاتا ہے فلک پر
وہ لعل جو اس خاک میں تو رول رہا ہے
اب طُور پہ جانے کی بھلا کس کو ہے خواہش
ہم جب بھی پکاریں وہ خدا بول رہا ہے

طفیل عامر

کیا مشکل کا حل نکلے گا ؟
آج نہیں تو کل نکلے گا؟
علم نہیں تھا یار کا میرے
وقت پہ بازو شل نکلے گا
دیر ہے پاؤں دھرنے کی بس
ہر اک رستہ چل نکلے گا
ظاہر باطن جب نہ اک ہوں
پھر تو سب کچھ چھل نکلے گا
چارہ گر نے سوچا جب بھی
تیری زلف کا بل نکلے گا
جب بھی یاد تمہاری آئی
آنکھوں سے پھر جل نکلے گا
عشق نہ ہو نے دینا عامرؔ!
سسّی ہی کا تھل نکلے گا

مبارک احمد عابد صاحب

ہم بچھڑ جائیں گے ہم بچھڑ جائیں گے
میرے پیش نظر اے مرے ہمسفر یہی ایک غم
ہم بچھڑ جائیں گے
میری افسردگی دیکھ کر ہر گھڑی کہتی ہے چشم نم
ہم بچھڑ جائیں گے

آنسوؤں میں مری عمر بہہ جائے گی
تم چلے جاؤ گے یاد رہ جائے گی
تم نے یہ کیا کیا مجھ کو بتلا دیا کچھ دنوں میں صنم
ہم بچھڑ جائیں گے

میری آنکھوں میں خاموش سی التجا، پوچھتی ہے
تجھے مجھ کو سچ سچ بتا
زندگی میں کہیں ہم ملیں گے نہیں تجھ کو تیری قسم
ہم بچھڑ جائیں گے

میرے رات اور دن کتنے سنسان ہیں
میرے شام و سحر کتنے ویران ہیں
بس یہی سوچ کر ذہن اور روح پر چھا رہا ہے الم
ہم بچھڑ جائیں گے

یہ میرے دوستوں کے حسین قہقہے ہر قدم پر نئے حسن کے چہچہے
یاد بن جائیں گے مجھ کو تڑپائیں گے بیتے دن اُف ستم
ہم بچھڑ جائیں گے

کل نجانے کہاں اور کس حال میں تم اُلجھ جاؤ گے وقت کے جال میں
کل بُھلا کر اُٹھو ساتھ میرے چلو آج تو دو قدم،
ہم بچھڑ جائیں گے

تیری تصویر سے دل کو بہلائیں گے دل نہ بہلا اگر تو کہاں جائیں گے
کچھ مداوائے غم سوچ لیں آصنم آج مل کر بہم
ہم بچھڑ جائیں گے

ہوں مبارک تجھے تیری رعنائیاں دور تجھ سے رہیں غم کی پرچھائیاں
میری ہر اک وفا تجھ کو دے کر دُعا روتی ہے دم بدم
ہم بچھڑ جائیں گے

چند لمحے یہاں ہم اکٹھے رہے وقت کے بحر میں ساتھ مل کر بہے
عابد بے نواجو بھی تھا خواب تھا اب وہ ٹوٹا بھرم
ہم بچھڑ جائیں گے

قتیلؔ شفائی ۔ انشاء جی

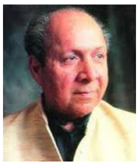

یہ کس نے کہا تم کوچ کرو، باتیں نہ بناؤ انشاء جی
یہ شہر تمہارا اپنا ہے، اسے چھوڑ نہ جاؤ انشاء جی
جتنے بھی یہاں کے باسی ہیں، سب کے سب تم سے پیار کریں
کیا ان سے بھی منہ پھیروگے، یہ ظلم نہ ڈھاؤ انشاء جی
کیا سوچ کے تم نے سینچی تھی، یہ کیسر کیاری چاہت کی
تم جن کو ہنسانے آئے تھے، اُن کو نہ رلاؤ انشاء جی
تم لاکھ سیاحت کے ہو دھنی ، اِک بات ہمارے بھی مانو
کوئی جا کے جہاں سے آتا نہیں ، اُس دیس نہ جاؤ انشاء جی
بکھراتے ہو سونا حرفوں کا ، تم چاندی جیسے کاغذ پر
پھر اِن میں اپنے زخموں کا، مت شہر ملاؤ انشاء جی
اِک رات تو کیا حشر تلک، رکھے گی کُھلا دروازے کو کب
لوٹ کے تم آؤگے، سجنی کو بتاؤ انشاء جی
نہیں ناصر قتیل کی بات یہاں، کہیں ساحرؔ ہے کہیں عالی ہے
تم اپنے پرانے یاروں سے، دامن نہ چھڑاؤ انشاء جی

(ملک محمد صفی اللہ خان قادیانی احمدی)

گُردے اور مثانے کی پتھری کے لیے چند تدابیر

1۔ نمازِ فجر سے پہلے آدھا چمچ کلونجی اور دو چمچ شہد گرم پانی میں روزانہ نہار منہ دو گلاس باقی پورے دن میں، چائے مشروبات اس کے علاوہ ہیں۔

2۔ کلونجی، شہد، خربوزہ اور کھیرے کا استعمال زیادہ کریں۔

3۔ روزانہ کم از کم دس گلاس پانی پئیں جس میں صبح نہار منہ دو گلاس باقی پورے دن میں، چائے مشروبات اس کے علاوہ ہیں۔

عدلِ فاروقی امریکہ میں

رجل خوشاب

کارلا فے ٹکر ایک طوائف کے یہاں پیدا ہوئی اس کی ولدیت کے خانے میں اس کی ماں ہی کا نام لکھا گیا- ماں کی گوناگوں مصروفیات کے باعث ٹکر کی تربیت کا مناسب بندوبست نہ ہوسکا لہٰذا گندے ماحول اور عدم توجہ کے باعث 8 برس کی عمر میں اس نے سگریٹ نوشی شروع کر دی اور بمشکل دس برس کی عمر میں اس نے چرس پینا بھی شروع کر دی- 13 برس کی عمر میں جب وہ ابھی جوانی کے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک دے رہی تھی تو اس کی ماں اسے پہلی بار ساتھ لے کر باہر نکلی جس کے بعد وہ مسلسل 11 برس تک گناہ کی گھاٹیوں میں اترتی رہی اور ذلت کے صحراؤں میں ننگے پیر چلتی رہی- پھر 1983ء کی وہ رات آ گئی جب اس نے اپنے بوائیفرینڈ کے ساتھ مل کر ایک جوڑے سے موٹر سائیکل چھیننے کی کوشش میں جوڑے کو ہلاک کر کے یہ دونوں فرار ہو گئے لیکن چند ہی ہفتوں میں پولیس نے انھیں گرفتار کر لیا- مقدمہ چلا اور ٹیکساس کی عدالت نے دونوں کو سزائے موت سنا دی، جس کے بعد اپیلوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا- اسی دوران اس کا بوائے فرینڈ بیمار ہو کر جیل میں انتقال کر گیا جس کے بعد وہ تنہا رہ گئی۔ جیل حکام کو اس حادثے کا کوئی علم نہیں جس نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا، وہ لڑکی جو بات بات پر جیل انتظامیہ کو ننگی گالیاں دیا کرتی تھی وہ اچانک اپنا زیادہ تر وقت بائبل کے مطالعے میں گزارنے لگی، وہ نشئی عورت جو ہر وقت سگریٹ اور شراب کا مطالبہ کرتی رہتی تھی اب زیادہ تر روزے سے رہنے لگی اور اب اللہ اور مسیح کے سوا کسی چیز کا نام نہیں لیتی تھی۔ وہ ایک طوائف زادی اور قاتلہ کی جگہ مبلغہ بن گئی، ایک ایسی مبلغہ جس کے ایک ایک لفظ میں تاثیر تھی، پھر اس نے جیل ہی میں شادی کر لی اور تبلیغ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا۔ اس کی بدلی ہوئی شخصیت کی مہک جب جیل سے باہر پہنچی تو اخبارات کے رپورٹر جیل پر ٹوٹ پڑے اور امریکہ کی معاشرتی زندگی میں بھونچال آ گیا، یہاں تک کہ پوپ جان پال نے بھی زندگی میں پہلی بار عدالت میں کسی قاتلہ کی سزا معاف کرنے کی درخواست کر دی- سزائے موت سے پندرہ روز قبل جب لیری کنگ جیل میں ٹکر کا انٹرویو کرنے گیا تو دنیا نے سی این این پر ایک مطمئن اور مسرور چہرہ دیکھا جو پورے اطمینان سے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا- لیری نے پوچھا تمہیں موت کا خوف محسوس نہیں ہوتا- ٹکر نے مسکرا کر جواب دیا۔ نہیں! اب مجھے صرف اور صرف موت کا انتظار ہے، میں جلد اپنے رب سے ملنا چاہتی ہوں، اپنی کھلی آنکھوں سے اس ہستی کا دیدار کرنا چاہتی ہوں جس نے میری ساری شخصیت ہی بدل دی- انٹرویو نشر ہونے کے دوسرے روز پورے امریکہ نے کہا: نہیں یہ وہ ٹکر نہیں ہے جس نے دو معصوم شہریوں کو قتل کیا تھا، یہ تو ایک فرشتہ ہے جو صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے اور فرشتوں کو سزائے موت دینا انصاف نہیں ظلم ہے- رحم کی اپیل ٹیکساس بورڈ آف پارڈن اینڈ پیرول کے سامنے پیش ہوئی- 18 رکنی بورڈ نے کیس سننے کی تاریخ دی تو 2 ممبروں نے چھٹی کی درخواست دیدی جبکہ باقی 16 ممبران نے سزا معاف کرنے سے انکار کر دیا- بورڈ کا فیصلہ سن کر عوام سڑکوں پر آ گئے اور ٹکر کی درخواست لیکر ٹیکساس کے گورنر جارج بش کے پاس پہنچ گئے- امریکہ کے معزز ترین پادری جیسی جیکسن نے بھی ٹکر کی حمایت کر دی- گورنر نے درخواست سنی جیسی جیکسن اور ہجوم سے اظہار ہمدردی کیا، لیکن آخر میں یہ کہہ کر معذرت کر لی: مجھے قانون پر عملدرآمد کرانے کے لئے گورنر بنایا گیا ہے، مجرموں کو معاف کرنے کے لئے نہیں، اگر یہ جرم فرشتے سے بھی سرزد ہوتا تو میں اسے بھی معاف نہ کرتا- موت سے 2 روز قبل جب ٹکر کی رحم کی اپیل سپریم کورٹ پہنچی تو چیف جسٹس نے یہ فقرے لکھ کر درخواست واپس کر دی: اگر آج پوری دنیا کہے کہ یہ عورت کارلا فے ٹکر نہیں، ایک مقدس ہستی ہے تو بھی امریکن قانون میں اس کے لئے کوئی ریلیف نہیں ہے کیونکہ جس عورت نے قتل کرتے ہوئے دو بیگناہ شہریوں کو کوئی رعایت نہیں دی اسے دنیا کا کوئی منصف رعایت نہیں دے سکتا، ہم خدا سے پہلے ان دو لاشوں کے سامنے جوابدہ ہیں، جنہیں اس عورت نے ناحق مار دیا- ۳- فروری 1998ء کی صبح پونے چھ بجے ٹیکساس کی ایک جیل میں 38 سالہ کارلا فے ٹکر کو زہریلا انجیکشن لگا کر سزائے موت دیدی گئی- ۴- فروری کو جب سی این این سے کارلا فے ٹکر کی موت کی خبر نشر ہو رہی تھی تو میں نے اپنے ضمیر سے پوچھا کہ وہ کیا معجزہ ہے جو امریکہ جیسے سڑے ہوئے بیمار معاشرے کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ تو حافظے میں حضرت علی کا قول زرّیں چمکنے لگا: معاشرے کفر کے ساتھ تو زندہ رہ سکتے ہیں لیکن ناانصافی کے ساتھ نہیں- جو عدالتیں عوامی احتجاج یا حکمرانوں سے متاثر ہو کر اپنے فیصلے بدل دیں، تو وہ عدالتیں نہیں بادبانی کشتیاں ہوتی ہیں جن کی منزلوں کا تعین ملاح نہیں ہوائیں کرتی ہیں- پاکستانی عدالتوں نے اپنے تشخص کو جہاں ملیا میٹ کیا۔ وہاں نام نہاد اسلامی پاکستان کے نام کو بھی بٹہ بھی لگایا ہے۔ نہ یہاں اسلامی عدل ہے۔ نہ عدل فاروقی ہے۔ سارے نظام کو فرعونی اور یزیدی سوچ نے ظالم بنادیا ہے۔ ہمارے لیڈر، ہمارے علمائے سُو، نے ایسے ببول کے کانٹے بوئے ہیں کہ وطن کے جسم سے کربلائی خون رِس رہا ہے۔ علمائے سُو کا شکنجہ سخت سے سخت ہو رہا ہے۔ لوٹی طاقتوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ طاغوتی طاقتوں نے ملک کو پستی کی گہرائیوں میں دبا دیا ہے۔ پاکستانی عدلیہ کے کئی جج بدنام زمانہ ہیں راشی ہیں اور کرپٹ ہیں جنہوں نے مقتدر احکام کے زیر سایہ احکام الہٰی تک کو بدلنے کی ناکام کوشش کی۔ وقت کی بدعنوانی نے عدلیہ کو بھی زیر کر لیا ہے۔ نظریہ ضرورت نے اس قوم کا نظریہ ہی تباہ کر دیا ہے۔

***

زندگی ایک سفر

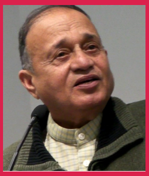

امجد مرزا امجد

زندگی ایک سفر ہے اوراس سفر میں ہم سب ہم قافلہ ہیں۔اوراس سے کسی کو کوئی انکارنہیں کہ اس قافلے سے ہرروزکوئی نہ کوئی جدا ہوجاتا ہے۔زندگی کے اس سفرکومکمل کرکے ایک نئی اور ابدی زندگی کے سفر کے لئے روانہ ہوجاتا ہے۔ صدیوں سے یہ قافلہ ایک ہی ڈگر پر چلتا ہوا ایک ایسی منزل کی جانب رواں دواں ہے جوکسی نے نہیں دیکھی۔اوراس قافلے کا ہرفرد اپنا اپنا مقررشدہ سفراورفرائض پورے کرکے اس زندگی کے سفرکو چھوڑ کر پھرایک نئے سفر پرروانہ ہوجاتا ہے۔گو ہماراشاعراپنی ایک غزل میں لکھتا ہے کہ:

ہو گردشِ دوراں میں بچھڑنے کا کوئی ڈر
بہتر ہے کہ اس بھیڑ کے ہمراہ چلا کر

مگرانسان جتنا بھی اس بھیڑ میں کھوجائے اسے ایک مقررہ وقت پراس بھیڑ سے جدا ہونا ہے الگ ہونا ہے۔جس کا اعتراف وہ اس طرح کرتے ہیں۔

جو ہوئے جہاں سے رخصت،انہیں یہ شرفؔ بتا دیں
ذرا انتظار کر لیں، ہے ابھی ہماری باری

زندگی کے اس طویل سفر سے ہم سب اپنی اپنی باری کا ہی انتظار کررہے ہیں۔اوراس میں اسی طرح کا آنا جانا صدیوں سے جاری ہے اوراللہ جانے کتنی صدیاں یوں ہی جاری وساری رہے گا۔زندگی کے اس سفرکو جناب محترم شرف الدین شرفؔ صاحب نے اپنی خوبصورت شاعری میں جیسے ڈھالا ہے وہ پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا سفرنہایت خوبصورت اور پرکشش گزارا ہے۔اپنے اس مختصر سے شعری مجموعہ میں انہوں نے اپنی غزلیات میں بہت پتے کی باتیں کہی ہیں۔

آپ ایک وسیع النظر، کشادہ ذہن، کشادہ قلب،عمیق مطالعے اور گہرے مشاہدے کے مالک ہیں۔وطن عزیز کو چھوڑ کرکسی غیروطن میں بس جانا اس کا درد وکرب تو وہی جانتا ہے جو اس ہجرت کے عذاب سے گزرا ہو۔لہذا کھٹے میٹھے تجربات نے قدم قدم پرانہیں دوچار کیا ان رنگارنگ تجربات نے ان کے تخلیقی مزاج کو کچھ ایسے انوکھے،اچھوتے اور گہرے رنگوں سے آشنا کیا جن کی خوشگوار آمیزش نے ان کی شاعری کوقوس وقزح کے روپ میں اجال دیا۔آپ کی زندگی کے سفرنے آپ کو نت نئے تجربات سے گزارا ہے اوروہ تجربات انہوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمیٹ کرانہیں شاعری کے پیرہن میں پیش کیا۔۔

نہ ہوگا بے وجہ آوارگی سے کچھ حاصل
جہاں سکوں ملے تجھ کو وہی تیرا گھر ہے

اسی طرح آپ زندگی کے تجربات سے حاصل اپنی ایک خوبصورت نظم ”زندگی تیرے رنگ ہزار“ میں لکھتے ہیں۔

زندگی یہ زندگی، کتنی عجب ہے زندگی
اس میں ہیں کانٹے بھی پنہاں، اس میں غنچے لالہ زار
اس میں رنگ و بوکے گلشن، اس میں اجڑے برگ وبار
ہے کبھی پت جڑ کا موسم اور کبھی فصلِ بہار
رنگِ گوناگوں بدلتی روز و شب ہے زندگی
زندگی یہ زندگی کیسی عجب ہے زندگی

محترم شرف الدین سے میرا کوئی تعارف تھا نہ ہی میں نے انہیں کہیں دیکھا یا ملا۔یہ شرف مجھے میرے مربی محترم بزرگ دوست جناب شمس الدین آغا صاحب نے عطا کیا اورمیرے لئے اعزاز ہے کہ مجھے ان کا پہلا شعری مجموعہ بنام ”زندگی ایک سفر“ کمپوز کرنے اوراُسے پرنٹ کرنے کا موقع ملا۔وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جنھیں جناب آغا صاحب جیسے محبت کرنے والے دوست ملتے ہیں اور الحمد للہ مجھے بھی ان کی دوستی کا شرف حاصل ہے اورمحترم شرف الدین شرف سے ان کی مخلص دوستی کا ثبوت یہ شعری مجموعہ ہے جس کی تقریب رونمائی اس خوبصورت انداز میں کی جارہی ہے جو برسوں یادگار رہے گی۔میں نے درجنوں شعری مجموعات کمپوز کئے اورشائع کئے مگر یقین کیجئے یہ پہلا شعری مجموعہ ہے جس میں ہمارے محترم شاعر نے اپنے عزیز واقارب کے لئے شاعری کے جوہر دکھائے۔اس میں بے شمار شادیوں پر سہرے رخصتیوں پر دعائیہ شاعری بھی شامل کی ہے اپنے دوست احباب پر دوعائیہ اورتعریفی کلمات کو شاعری کا روپ دیا۔جبکہ اکثر شعرا اپنے غزلوں اورنظموں میں ہجر ووصال کی شاعری پر ہی مجموعات مکمل کرکے خوش ہوجاتے ہیں۔محترم شرف صاحب کی یہی محبت اور پیار کا ثبوت ہے کہ انہوں نے کتنے رکھ رکھاؤ اور دوسروں کی محبتوں میں سرشارزندگی گزاری ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ:

ہے بہت لازم کہ یکجا مل کے بیٹھیں صف بہ صف
دور کر دیں ہر برائی، ہم اٹھائیں یہ حلف
تاکہ ہراک کوسکونِ زیست ہو حاصل شرفؔ
چین سے سب جی سکیں آسودگی ہو ہر طرف

کیوں کریں ضائع اسے، یہ دینِ رب ہے زندگی
زندگی یہ زندگی کیسی عجب ہے زندگی

لکھنے کو تو ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر وقت اس کی اجازت نہیں دیتا آج کی اس خوبصورت محفل کو جس طرح ہمارے آغا جی نے مرتب کیا ہے اور بہت سے مہمان اپنے اپنے انداز میں محبت کا اظہار کریں گے لہذا میں اسی دعا پر اکتفا کرتا ہوں جو ہمارے محترم شاعر نے فرمایا۔

دوست بن کر ملا کرے کوئی — کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
بات کچھ ناگوار گذرے اگر — دوستی میں وفا کرے کوئی
زندگی مختصر ہے انسان کی — کیوں کسی کا برا کرے کوئی

اور اسی خوبصورت غزل کا مقطع ملاحظہ فرمائیں:

اس قدر طیش میں نہ آؤ شرف — بخش دو گر خطا کرے کوئی

اللہ پاک آپ کو طویل زندگی وسلامتی صحت تندرستی کے ساتھ عطا فرمائے آمین۔

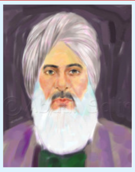

حضرت امیر مینائی

میں رو کے آہ کروں گا جہاں رہے نہ رہے
زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے
رہے وہ جانِ جہاں یہ جہاں رہے نہ رہے
مکیں کی خیر ہو یا رب مکاں رہے نہ رہے
ابھی مزار پر احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے
خدا کے واسطے کلمہ بتوں کا پڑھ زاہد
پھر اختیار میں غافل زباں رہے نہ رہے
خزاں تو خیر سے گزری چمن میں بلبل کی
بہار آئی ہے اب آشیاں رہے نہ رہے
چلا تو ہوں پئے اظہار دردِ دل دیکھوں
حضورِ یار مجالِ بیاں رہے نہ رہے
امیرؔ جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

نصیحت آموز لطائف — ابن لطیف

ا۔ کہتے ہیں مسیحیوں کے زوال کے زمانے میں دو پادری اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ بائبل کی روشنی میں گھوڑے کے منہ میں کتنے دانت ہوتے ہیں۔ ایک گنتی کچھ بتا رہا تھا اور دوسرا گنتی کچھ اور۔ قریب سے گزرنے والے ایک شخص نے ان سے کہا اس معاملے میں بائبل کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت؟ گھوڑے کا منہ کھول کر اس کے دانت کیوں نہیں گنتی کر لیتے۔ (یہ لطیفہ ان دانشوروں کے نام ہے جو اس بات پر بحث کرتے نظر آتے ہیں کہ قائداعظم کیسا پاکستان چاہتے تھے سیکولر یا اسلامی؟ حالانکہ یہ سوال انھیں پاکستان میں بسنے والے جیتے جاگتے 21 کروڑ عوام سے کرنا چاہیے کہ وہ کیسا پاکستان چاہتے ہیں)۔

۲۔ ایک خرکار گدھوں پر بوجھ لاد کر کہیں جا رہا تھا، اسے دور سے ڈاکو آتے دکھائی دیئے۔ وہ پکارا بھاگو۔ بھاگو۔ ڈاکو آ رہے ہیں۔ گدھوں نے کہا کہ ہم کیوں بھاگیں؟ تو بھاگ۔! ہمیں تو بوجھ اُٹھانا ہے وہ تیرا ہو یا کسی اور کا۔ (ابن انشا کی تحریر سے ماخوذ، یہ پیراگراف میرے نزدیک ان سیاست دانوں کے لئے ہے جو اپنے مفادات کے لئے عوام کو سڑکوں پر آنے کی دعوت دیتے ہیں جب کہ عوام ہیں کہ ان کی اپیل پر اپنے کان دھرتے ہی نہیں ہیں)۔

۳۔ ایک گاؤں میں سیلاب آ گیا، ایک حکومتی افسر گاؤں پہنچا اور لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ پانی کا بہاؤ بہت بڑھ گیا ہے، پانی خطرے کے نشان سے 2 فٹ اُونچا ہو گیا ہے۔ لوگوں نے خوفزدہ ہو کر کہا کہ اب کیا ہو گا؟ افسر نے کہا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے انتظام کر لیا ہے۔ خطرے کے نشان کو دو فٹ سے بڑھا کر چار فٹ کر دیا ہے۔ (یہ لطیفہ ان معاشی پالیسیاں بنانے والے ماہرین کے نام ہے جو مہنگائی کے اسباب ختم کرنے کے بجائے تنخواہ میں اضافے کی بات کرتے ہیں جب کہ دنیا کے معاشی ماہرین کے مطابق تنخواہ میں اضافہ مہنگائی میں اضافے کا سبب بنتا ہے)۔

۴۔ پولینڈ میں ایک بچے نے اپنی کلاس ٹیچر کو بتایا کہ ہماری بلی نے چار بچے دیے ہیں، وہ سب کے سب کمیونسٹ ہیں۔ ٹیچر نے خوب شاباش دی۔ ہفتہ بھر بعد جب اسکول انسپکٹر معائنے کے لئے آئے تو ٹیچر نے بچے سے کہا کہ بلی والی بات پھر سے کہیے، بچے نے کہا ہماری بلی نے چار بچے دیئے ہیں وہ سب کے سب جمہوریت پسند ہیں۔ ٹیچر نے بوکھلا کر کہا ہفتہ بھر پہلے تو تم نے اس طرح بات نہیں کی تھی، بچہ بولا جی ہاں مگر اب بلی کے بچوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔

(سیاسی جماعتوں کے ان عہدیداروں کے نام جو پارٹی بدل کر دوسری پارٹی میں چلے جاتے ہیں سابقہ پارٹی میں اس طرح کیڑے نکالتے ہیں جیسے پارٹی بدلتے ہی ان کی آنکھیں کھلی ہیں۔)

۵۔لندن کی ایک بیکری کے کباب عموماً ملکہ کے لیے قصر بکنگھم میں جاتے تھے۔دوستوں کے مشورے پر بیکری والے نے دکان پر ایک بڑے سائز کا بورڈ نصب کرایا جس پر تحریر تھا کہ ہمارے یہاں کے کباب ملکہ معظّمہ بڑے شوق سے تناول فرماتی ہیں۔قریب کے دوسرے بیکری والے کو اس کی یہ بات زیادہ پسند نہیں آئی۔ اس نے فوراً دکان پر ایک بورڈ لگوایا جس پر تحریر تھا اے اللہ! ہماری ملکہ کی صحت کی حفاظت فرما۔

(اپوزیشن کی سیاست کا کردار ادا کرنے والے سیاستدانوں کے نام)

۶۔کہتے ہیں کہ ہندوستان میں کرنسی نوٹ جب پہلی بار تصویر کے ساتھ جاری کئے گئے تو اس وقت کے مذہبی حلقوں میں بے چینی پیدا ہوئی، اس ضمن میں ایک وفد اس دور کے ایک بڑے عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ کرنسی نوٹ پر تصویر کا ہونا صحیح ہے یا غلط؟ محترم عالم دین نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔میرے بھائیو! میرے فتویٰ دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میرا فتویٰ نہیں چلے گا کرنسی نوٹ چل جائے گا۔

(دور حاضر کے تقاضوں سے لاعلم اور بے خبر علما کرام کے نام)

۷۔شہری خاتون گاؤں میں عورتوں کو حساب سکھا رہی تھیں۔اس نے ایک عورت سے پوچھا کہ اگر تمہارے پاس پچاس روپے ہوں اس میں سے تم بیس روپے اپنے شوہر کو دے دو تو بتاؤ تمہارے پاس کتنے روپے بچیں گے؟ عورت نے جواب دیا کچھ بھی نہیں۔خاتون نے دیہاتی عورت کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔احمق عورت! تم حساب بالکل نہیں جانتی ہو۔ دیہاتی عورت نے جواب دیا۔آپ بھی میرے شوہر ''شیرو'' کو نہیں جانتی ہو۔وہ سارے روپے مجھ سے چھین لے گا۔

(یہ لطیفہ ان ماہرین کے نام جو پالیسیاں بناتے وقت زمینی حقائق سے لاعلم ہوتے ہیں)

۸۔ایک مولوی صاحب کسی گاؤں پہنچے۔انھیں تبلیغ کا شوق تھا۔جمعہ کا خطبہ پورے ایک ہفتے میں تیار کیا لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ جمعہ کے دن صرف ایک نمازی مسجد میں آیا۔مولوی صاحب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔انھوں نے اس شخص سے کہا کہ تم واحد آدمی ہو جو مسجد آئے ہو۔بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ وہ شخص بولا۔مولوی صاحب! میں ایک دیہاتی آدمی ہوں۔ مجھے اتنا پتا ہے کہ میں اگر بھینسوں کے لئے چارہ لے کر پہنچوں گا اور وہاں صرف ایک بھینس ہو تو میں اسے چارہ ضرور دوں گا۔مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے بھی چوڑی تقریر کر ڈالی۔اس کے بعد انھوں نے دیہاتی سے پوچھا کہ بتاؤ خطبہ کیسا تھا؟ دیہاتی نے لمبی جمائی لی اور کہا۔مولوی صاحب! میں ایک دیہاتی آدمی ہوں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر میرے سامنے ایک بھینس ہوگی تو میں ساری بھینسوں کا چارہ اس کے آگے نہیں ڈالوں گا۔

(نصاب تعلیم مرتب کرنے والوں کے نام)

۹۔قدیم نوادرات جمع کرنے کی شوقین ایک خاتون نے دیکھا کہ ایک شخص اپنی دکان کے کاؤنٹر پر بلی کو جس پیالے میں دودھ پلا رہا ہے اس چینی کے قدیم پیالے کی قیمت تیس ہزار ڈالر سے کم نہیں۔خاتون نے سوچا کہ شاید یہ شخص اس پیالے کی قیمت سے ناواقف ہے۔اس خاتون نے اپنے طور پر بے حد چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہا۔جناب! کیا آپ یہ بلی فروخت کرنا پسند کریں گے؟ تو اس شخص نے کہا۔یہ میری پالتو بلی ہے، پھر بھی آپ کو یہ اتنی ہی پسند ہے تو پچاس ڈالر میں خرید لیجیے۔

۱۰۔خاتون نے فوراً پچاس ڈالر نکال کر اس شخص کو دیئے اور بلی خرید لی، لیکن جاتے جاتے اس دکان دار سے کہا۔میرا خیال ہے کہ اب یہ پیالہ آپ کے کسی کام کا نہیں رہا۔برائے کرم اسے بھی مجھے دے دیجیے۔میں اس پیالے میں بلی کو دودھ پلایا کروں گی۔دکان دار نے کہا۔خاتون! میں آپ کو یہ پیالہ نہیں دے سکتا، کیونکہ اس پیالے کو دکھا کر اب تک 300 بلیاں فروخت کر چکا ہوں۔(پاکستان میں بسنے والے ان باشعور عوام کے نام جنھیں طرح طرح سے بے وقوف بنایا جاتا ہے)

علی بابا پر سنگلز ڈے سیل۔چینی کمپنی علی بابا پر ایک گھنٹے میں 14 ارب ڈالر کی خرید و فروخت

چینی کمپنی علی بابا کی منعقد کردہ 'دنیا کی سب سے بڑی سیل' کے دن پہلے ہی منٹ میں ایک ارب ڈالر کی مصنوعات فروخت ہوئیں جو کہ کمپنی کے مطابق گذشتہ سال کے ریکارڈ سے بھی زیادہ ہے۔سالانہ 'سنگلز ڈے' کے عنوان سے منعقد کی جانے والی اس سیل کے پہلے گھنٹے میں کُل 100 ارب یوآن (14 ارب ڈالر، 11 ارب پاؤنڈ) کی خرید و فروخت ہوئی۔امریکی پاپ سٹار ٹیلر سوئفٹ نے اپنی پرفارمنس کے ذریعے 24 گھنٹے جاری رہنے والے اس شاپنگ میلے کا افتتاح کیا۔علی بابا کے بانی جیک ما کی کمپنی سے رخصتی کے بعد یہ کمپنی کا پہلا سنگلز ڈے ہے۔اس سال کے آغاز میں جب جیک ما نے اعلان کیا کہ وہ فلاحی کاموں اور تعلیم پر توجہ مرکوز کرنے کے لیے اپنا عہدہ چھوڑ رہے ہیں، تو ڈینیئل ژینگ نے کمپنی کے ایگزیکٹیو چیئرمین کے طور پر ان کی جگہ لے لی تھی۔ (بشکریہ بی بی سی اردو سروس)

گنگناتی غزلوں کے شاعر مترنم
آدم چغتائی کی یاد میں

امجد مرزا امجدؔ

سخن کی رُوح ایمانی ترے جلوے دکھاتی ہے
یہ وہ نعمت ہے جو انسان کو جینا سکھاتی ہے

برمنگھم میں مقیم سخن وادب کی دنیا کے ممتاز شاعر آدم چغتائی کا ایک خوبصورت شعران کے دوسرے شعری مجموعہ ''جستجوئے جمال'' کی پیشانی پر چمکتا ہوا اپنے خالق شاعر کی سخن وادب کے ساتھ محبت، وابستگی کا کھلا ثبوت تھا۔ان کی اس کتاب پر میں نے ایک مضمون لکھا جو اس وقت یو کے ٹائم اور نیشن میں شائع ہوا جب میں ان دونوں اخبارات کے ساتھ منسلک تھا۔آدم چغتائی سے ہمیشہ رانا عبدالرزاق خان صاحب کے مشاعرے میں ہی ملاقات ہوئی اور ایک بار اے حق صاحب نے پارلیمنٹ میں مشاعرہ کیا جس میں آپ تشریف لائے تھے۔

بڑے کمال کے انسان ہیں پہلی ملاقات میں ہی وہ اس طرح گھل مل جاتے ہیں جیسے شکر پانی میں گھل کر شربت بن جاتی ہے اور پینے والے کی رُوح کو تازگی بخشتا ہے اسی طرح آدم چغتائی سے ایک ملاقات طویل مدت تک رُوح میں خوشبو ومٹھاس کی طرح بسی رہتی ہے۔وہ تکلف کے عادی نہیں، بات سچی اور کھری کرتے ہیں لہجے کی مٹھاس مخاطب کو مسلسل رجوع رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔شعروشاعری کا وسیع علم رکھتے ہیں اور اکثر مشاعرں میں اپنے خوبصورت ترنم سے سحر زدہ کر دیتے ہیں۔

وہ واعظ مطربِ رنگیں جو تھا خندہ بیانی کا
بہت خوش لحن تھا نغمہ بھی ہے اس کی بے زبانی کا

ان کے شعری مجموعات کا سرورق نہایت خوبصورت اور آرٹسٹک ہوتا تھا جسے وہ خود ہی ڈیزائن کرتے۔غزل کا ایک نمایاں رنگ تھا جس سے اُستادانہ جھلک آتی تھی

لئے پوشاک لفظوں سے سخن کا پیرہن نکلا
ترے نغموں سے حسنِ گلستاں کا بانکپن نکلا
وہ کیسا دل ربا منظر تھا گلشن میں بہاروں کا
دکھا جو پھول سا چہرہ وہ میرا گل بدن نکلا

لفظوں کی خوبصورتی دیکھئے جیسے پھلوں کا گلدستہ ہو۔

چمن کے سارے رنگوں میں تری آنکھوں کی مے بھی ہے
اٹھی جو مے کشوں کے دل سے وہ اُلفت کی لَے بھی ہے

ان کی شاعری پڑھیں تو آپ خود بخود گنگنانے لگتے ہیں کیونکہ وہ خود مترنم شاعر تھے لہجہ ترنم آواز نہایت خوبصورت اور دل نشین تھی لہٰذا ایسے شاعر کا کلام بھی گنگناتا ہے۔۔۔اور قاری بھی۔۔

محبت کا کوئی نغمہ بھلایا جا نہیں سکتا
یہ وہ جذبہ ہے جو دل میں چھپایا جا نہیں سکتا

کے مصداق وہ محبت کے نغمات چھیڑتے جن میں کبھی غنچوں کو شبنم مل جاتی ہے تو کہیں تتلیاں اپنے اشکوں میں نہاتی ہیں تو کبھی چمن کی ساری کلیاں ان کے غم میں مسکراتی ہیں۔گلوں کی پیاس تو شبنم کے اشکوں سے بجھی آدمؔ...سنا ہے تتلیاں بھی اپنے اشکوں میں نہاتی ہیں اسی لئے ان کے بارے میں حیدر طباطبائی لکھتے ہیں، ' آدم چغتائی کی غزلوں میں ایک نئی رُت کا احساس ہوتا ہے ان کے شعر میں شبنم آلود تازگی کا احساس ہوتا ہے۔وہ اپنے محسوسات کی عکاسی انوکھے اور لطیف انداز میں کرتے ہیں۔'' دھوئی تھی زباں عرق مئے لالہ سے لیکن ...لیتے ہوئے یہ نام ترا کانپ رہی ہے۔ڈاکٹر فراز حامدی کہتے ہیں کہ،'' آدم چغتائی کی غزلیاتی اور نظمیاتی شاعری مختلف زاویہء نظر سے دیکھی جا سکتی ہے اور کئی نقطہء نظر سے اسے اچھی شاعری میں شمار کیا جا سکتا ہے۔'' آشنائی کا خدارا اب تو دعویٰ چھوڑ دے...یا ہمیں تو پیار کر یا ہم کو تنہا چھوڑ دے ماہنامہ ''پرواز'' کے ساحر شیوی اپنے مختصر مضمون میں لکھتے ہیں کہ،'' آدم چغتائی کے اندر کا شاعر انسانی کائنات اور معاشرے کے مسائل کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے''

آدمؔ زاد کے اس جنگل میں سارے رستے ہیں دشوار
آگے بڑھیں تو جان کا خطرہ لوٹیں تو رُسوائی ہے

مرحوم قیصر تمکین مشہور افسانہ نگار تھے گو انہیں شعرا سے کوئی خاص لگاؤ یا دلچسپی نہ تھی مگر آدم چغتائی کے شعری مجموعہ میں ان کا مضمون میرے لئے حیرت کا باعث ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ۔''غزل کہنا ایک طرح سے تو بہت آسان ہے لیکن کلاسکی وقوف کے ساتھ غزل سرائی بہت مشکل ہے۔یہ ندرت آدم چغتائی صاحب کا ہی حق ہے۔'

نہ پوچھ ان کی اداؤں کی داستاں آدم   جو اک نظر سے بپا انقلاب کرتے ہیں

کراچی کے ممتاز شاعر سید معراج جامی لکھتے ہیں،''اسی لئے انہیں برطانیہ میں 1991 ''شاعر برمنگھم'' کا خطاب ملا ہے۔ساتھ ہی ساتھ انہیں ''شاعر مترنم'' کا بھی خطاب دیا گیا ہے۔'' آدم چغتائی کو موسیقی کا بھی شوق تھا سنا ہے کسی زمانے میں وہ اپنے مرحوم بھائی ادریس کے ساتھ میوزک کے ساتھ بڑا اچھا گایا کرتے تھے۔مشاعروں میں انہیں ترنم کے ساتھ غزل پڑھنے کی فرمائش کی جاتی ہے اور وہ اپنی خوبصورت غزل کو اپنی خوبصورت آواز کے ساتھ مزید خوبصورت بنا دیتے ہیں۔جیسا کہ میں نے پہلے عرض کی کہ ان کی ہر غزل مترنم غزل ہے بحر وعروض کے سانچے میں ڈھلی ہوئی جسے پڑھ کر بے اختیار گنگنانے کو جی کرتا ہے۔وہ خود بھی لکھتے ہیں کہ۔'' خوبصورت مترنم آواز قدرت کا خاص عطیہ ہے جس کی وجہ سے الفاظ کو

گنگنانے کا شوق پیدا ہوا۔ ذوقِ شعر گوئی نے الفاظ کے معانی دریافت کئے ۔''

اک ایسے ترنم نے بھی آدمؔ کو صدا دی
سرمست ہوئے جاتے ہیں دریا کے کنارے

اور پھر کہتے ہیں۔

اگر توفیق دے مولا ذرا سا گنگنانے کو
ہواؤں میں ترنم کو میں زیبِ داستاں کردوں

ان کی شاعری میں پھولوں کا ذکر بہت زیادہ پایا جاتا ہے، پھولوں سے پیار کرنے والے لوگ بھی پھولوں کی طرح کومل، رنگین، خوبصورت، خوشبودار اور معطر ہوتے ہیں۔ نکالوں خشک صحراؤں سے میں نہریں محبت کی ۔ سبھی بنجر زمینوں کو میں رشکِ گلستاں کردوں بے شک آدم چغتائی کا شمار اردو ادب کے ان معتبر شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے شعروادب کی داغ بیل اس دیارِ غیر میں ڈالی۔ اور انہوں نے فن کی باریکیوں کو سمجھا اپنی تخلیقات میں فکر و اظہار کی انفرادیت کو مقدم رکھا۔ آدم چغتائی غزل کے شاعر ہیں انہوں نے غزل کو ایک نیا اور خوبصورت رنگ دیا ہے ۔ان کے اس سفر میں کہیں تھکاوٹ ، اکتاہٹ نظر نہیں آتی بلکہ شاداب لہلہاتے منظروں کا ایک ہجوم سطحِ چشم پر اُبھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے باغ و بہار، پھولوں، شبنم تتلیوں کے ذکر سے روحانی تازگی کا احساس ہوتا ہے ان کی غزلوں میں رومانیت کے سائے لہراتے محسوس ہوتے ہیں محبت کی چاشنی، مٹھاس محسوس ہوتی ہے ۔

شگوفے کھلتے ہیں آدمؔ ترے لفظوں کے گلشن میں
کہ جیسے تیرے خامہ میں کسی گل نے زباں رکھ دی

آدم چغتائی نے کہیں بھی غزل کو بے آبرو نہیں ہونے دیا یا اس کے وقار کو مسخ نہیں کیا۔ وہ اپنے اس شوقِ جنوں میں بے حد محتاط رہے ۔انہوں نے اپنی غزلوں میں نہایت خوبصورت استعارات وعلامات بڑی خوبی سے استعمال کئے ۔اور غزل کو ایک نیا رنگ دیا۔ان کے اسی اعلیٰ معیارِ کلام نے انہیں صفِ اول کے شعراء کی قطار میں لا آن کھڑا کر دیا۔ حمدِ باری تعالیٰ کے اشعار اور نعتِ رسولِ مقبول کے چند اشعار ملاحظہ ہوں اور ان کی محبت کا اظہار دیکھیں۔

ہے کرن کرن میں تری ضیاء ترا عرش بقعہ نور ہے
تہِ خاک سے سرِ آسماں تری شانِ کُن کا ظہور ہے

دلی دکھ ہے کہ آج وہ عظیم شخص ہم میں موجود نہیں مگر ایسے لوگ کبھی نہیں مرتے ۔وہ جسمانی طور پر تو دنیا سے اوجھل ہوجاتے ہیں جو انسانی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے ۔مگر وہ روحانی طور پر اور اپنی خوبصورت تحریر کے روپ میں صدیوں کی زندگی پاتے ہیں ۔ ایسے لوگ اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں رہتے ہیں۔ اور پھر آپ نے جو انمٹ دولت اردو ادب کو دان کی وہ انہیں تا قیامت زندہ رکھے گی ۔۔ اللہ پاک مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور ان کی قبر میں اپنا نور بھر دے ۔انہی کا ایک شعر ہے۔

چمن کے لایا ہے کہاں سے آج آدمؔ ایسے پھول
خوشبوؤں کا جن سے ہم کو کارواں ملتا رہا

انشاء اللہ جو پھول انہوں نے چن کر ہم کو دیئے ان کی خوشبوؤں کا کارواں ہمیشہ چلتا ہے گا۔ قائم و دائم رہے گا۔ آخر میں میں جناب عبدالرزاق رانا صاحب کا شکریہ ادا کروں گا جنھوں نے اس عظیم شخص اور خوبصورت مترنم شاعر کی یاد میں آج کی اس خوبصورت محفل کا انعقاد کیا۔ یہ ان کی مرحوم سے محبت کا اعلیٰ مثال ہے اور جو بھی دیگر دوستوں نے آج کی اس محفل میں اپنا حصہ ڈالا۔ اللہ انہیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے آمین۔

***

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

حکمت: ایک ٹیچر کے گھر 10 دوست آ گئے۔ ٹیچر بیوی سے ۔گھر میں چینی نہیں ہیں۔ ٹیچر نے کہا تم پھیکی ہی بنا دو باقی میں کرلوں گا۔ ٹیچر چائے لے کر گیا اور سب سے کہا۔ دوستو ان 10 کپ میں سے ایک کپ میں چینی نہیں ہے ۔ جس کے پاس بھی وہ کپ آیا کل وہ ہم سب کو پارٹی دے گا۔ تمام دوست چپ چاپ چائے پی گئے ایک دوست نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ میرے کپ میں چینی بہت زیادہ ہے ۔واہ ٹیچر... تیری عظمت کو سلام

وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا

پرندہ جب زندہ ہوتا ہے تو چیونٹیوں کو کھاتا ہے مگر جب مرجاتا ہے تو وہی چیونٹیاں اسے کھا جاتی ہیں ایک درخت ایک لاکھ ماچس کی تیلی بنا سکتا ہے مگر ایک ماچس کی تیلی ایک لاکھ درخت جلا سکتا ہے ۔انسان جب زندہ ہوتا ہے تو مٹی سے رزق لیتا ہے مگر جب مرجاتا ہے تو وہی مٹی اُسے اپنا رزق بنا دیتی ہے ۔

مکان

''میں نے تین منزلہ مکان اس لئے بنایا تھا کہ میرے بچے ہمیشہ ایک ساتھ رہیں گے ۔'' بابا اکثر یہ بات کہتے تھے ۔لیکن اُن کا انتقال ہوتے ہی ہم نے مکان بیچنے کا فیصلہ کیا۔ نہ ہم تینوں بھائی ایک ساتھ رہ سکتے تھے ، نہ ہماری بیویاں ۔ اخبار میں اشتہار دیکھ کر کئی خواہش مند آئے ۔ ایک صاحب سے معاملہ طے پا گیا۔ میں نے اُن سے بیعانہ لے کر پوچھا،'' آپ کو یہ مکان کیوں پسند آیا؟'' ''میرے تین بیٹے ہیں ۔'' انہوں نے بتایا،''میں تین منزلہ مکان اس لئے خریدنا چاہتا ہوں کہ میرے بچے ہمیشہ ایک ساتھ رہیں ۔''

گدھا

ایک دیہاتی کو اپنا گدھا بیچنا تھا مگر اپنی خامیوں کی وجہ سے گدھا بک نہیں رہا تھا علاقے میں ایک آدمی اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے بہت معروف تھا دیہاتی کو جب اس فصیح و بلیغ انسان کا پتا چلا تو فوراً اس کے پاس چل دیا بیاں میں سحر رکھنے والے اس آدمی سے ملاقات کے بعد دیہاتی نے جب اپنی پریشانی اس کے سامنے رکھی تو اس زبان دراز انسان نے کہا پریشان مت ہو یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تمہارا گدھا میں بیچوں گا تم بس میرا حصہ دے دینا۔وہ شخص دیہاتی اور اس کے گدھے کو اپنے ساتھ منڈی لے گیا اور گدھے کی خوبیاں بیان کرنے لگا گدھے کا تعارف اس فصیح و بلیغ انداز سے کیا اور ایسی ایسی خوبیاں گردانے لگا کہ دیہاتی اس سے کہنے لگا بھائی میں نے گدھا نہیں بیچنا اس پر اسے حیرت ہوئی اور دیہاتی سے اچانک نہ بیچنے کی وجہ پوچھی، دیہاتی کہنے لگا مجھے تو خود بھی نہیں معلوم تھا کہ میرا گدھا اتنا باکمال ہے۔کل ملتان میں مولانا طارق جمیل صاحب کو پاکستان کے متوقع وزیر اعظم شاہ محمود قریشی کی خاندانی عظمت بیان کرتے سن کے مجھے بار بار دیہاتی اور اس کا گدھا یاد آ رہا تھا پاس میں بیٹھا جہانگیر خان ترین بھی سوچتا ہوگا ہم کتنے بدقسمت ہیں جو اتنی بڑی شخصیت کے فیض سے محروم رہے۔

غلط خیال

عموماً یہ غلط خیال عام ہے کہ 1857ء کی جنگ کے نتیجہ میں دہلی پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تھی اور مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہت قبل شاہ عالم ثانی کے عہد میں دہلی پر مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور عملاً برطانوی عملداری قائم ہو چکی تھی۔جب شاہ عالم ثانی دہلی کے تخت پر بیٹھے تو غلام قادر روہیلہ، جو افغان تھا، اُس نے سکھوں کے ساتھ مل کر بادشاہ کو قیدی بنایا اور اُس کی آنکھیں نکال لیں۔پھر یہ بدنصیب بادشاہ اور دہلی مرہٹوں کے قبضہ میں چلا گیا اور انہوں نے بھی اُسے اذیت ناک قید کی حالت میں رکھا۔یہ بادشاہ 1803ء تک مرہٹوں کا تختۂ مشق بنا رہا۔جب انگریزوں اور مرہٹوں میں جنگیں شروع ہوئیں اور دہلی سے چھ میل کے فاصلہ پر بھی مرہٹوں کو شکست ہوئی تو شہر اور دہلی کا قلعہ بھی انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔اس پس منظر میں شاہ عالم نے جنرل لیک کو خط لکھا کہ اُور اُن کی پناہ میں آنے کی درخواست کی۔ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے انہیں قید سے رہا کروا کر اُن کی پنشن مقرر کردی اُور اُن کی جائیداد کی آمد بھی اُن کو ملتی رہی۔1837ء میں مغل فرمانروا کو یہ اختیار بھی مل گیا کہ وہ اپنے آپ کو دہلی کا بادشاہ کہلا سکتے ہیں، اپنے مقربین کو خلعات اور خطابات دے سکتے ہیں۔بادشاہ اُور اُن کا خاندان لوکل کورٹ سے بری تھا لیکن کمپنی کی حکومت کے زیر نگین تھا اُور دہلی کا انتظام بھی کمپنی کی حکومت کے ماتحت تھا۔

(مقدمہ بادشاہ ظفر، مصنفہ خواجہ حسن نظامی، الفیصل ناشران لاہور 1990ء ص96)

خلیفہ وقت حضرت عمرؓ کا خوف

ملک محمد صفی اللہ خان قادیانی احمدیؔ

حضرت عمر فاروقؓ کی بیوی (عاتکہ) کہتی ہیں کہ عمرؓ بستر پر سونے کے لئے لیٹتے تو نیند ہی اُڑ جاتی تھی۔بیٹھ کر رونا شروع کر دیتے تھے۔میں پوچھتی تھی: اے امیر المومنین، کیا ہوا؟ وہ کہتے تھے:"مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی خلافت ملی ہوئی ہے، اور ان میں مسکین بھی ہیں ضعیف بھی ہیں یتیم بھی ہیں اور مظلوم بھی، مجھے ڈر لگتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ سے ان سب کے بارے میں سوال کریں گے۔مجھ سے جو کوتاہی ہوئی تو میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں گا۔" سیدنا عمرؓ کہتے تھے اللہ کی قسم اگر دجلہ کے دور دراز علاقے میں بھی کسی خچر کو راہ چلتے ٹھوکر لگ گئی تو مجھے ڈر لگتا ہے کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہ کر دیں اے عمر، تو نے وہ راستہ ٹھیک کیوں نہیں کرایا تھا؟

پطرس بخاری

پطرس بخاری ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر تھے۔ایک مرتبہ مولانا ظفر علی خان صاحب کو تقریر کے لئے بلایا۔تقریر کی ریکارڈنگ کے بعد مولانا پطرس کے دفتر میں آ کر بیٹھ گئے۔بات شروع کرنے کی غرض سے اچانک مولانا نے پوچھا: پطرس یہ تانپورے اور تنبورے میں کیا فرق ہوتا ہے۔پطرس نے ایک لمحہ سوچا اور پھر بولے۔

مولانا آپ کی عمر کیا ہوگی؟ اس پر مولانا گڑبڑا گئے اور بولے۔بھئی یہی کوئی پچھتر سال ہوگی۔پطرس کہنے لگے۔مولانا جب آپ نے 75 سال یہ فرق جانے بغیر گذار دیئے تو دو چار سال اور گزار لیجئے۔ ***

قادیانی پہلے اسلام میں داخل ہوں؟

اے آر خان لندن

پاکستان جہاں سوفی صد پاک لوگ رہائش پذیر ہیں سنا ہے وہاں کئی شہروں میں دکانوں پر لوطی قوم کے لونڈوں نے لکھا ہوا ہے کہ ''قادیانی پہلے اسلام میں داخل ہوں؟'' پھر ان سے لین دین ہوسکتا ہے۔ یا خرید و فروخت ہوسکتی ہے ورنہ بائیکاٹ جاری رہے گا اور نفرت کے طوفان آتے رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ بتایا جائے کہ قادیانی کس اسلام میں داخل ہوں، جب کہ ساری دنیا میں ۷۳ قسم کے اسلام ہیں۔ تفصیل کے لئے وقت درکار ہے۔ ایک اسلام جو حضرت محمد ﷺ نے پیش کیا تھا اس اسلام کی جھلک اور پیروی تو قادیانیوں میں نظر آرہی ہے۔ وہ پانچ ارکان اسلام کے پیرو ہیں، کردار اور عمل سے اعلیٰ مسلمان دکھائی دیتے ہیں، عاشق رسول ہیں۔

جبکہ سعودی اسلام کے طور طریقے مختلف، دیوبندی، بریلوی اسلام کے طریقے مختلف، رائے ونڈ کے عقائد مختلف، شیعہ اور سنی کے خیالات مختلف، مولانا فضل الرحمن اور مولانا، سمیع الحق کے اسلام کے عقائد مختلف۔ طالبان، **اللھم لبیک**، والوں کے لچھن اور ہیں۔ گویا کہ ایک کھچڑی پکی ہوئی ہے۔ سبھی فرقے اسلام کے تکفیر فیکٹریوں کے مالک ہیں۔ شراب اور متعہ کے قائل ہیں۔ لونڈے بازی کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ سود کو حلال اور کہہ کر سود خوری پر یقین ہے۔ قادیانیوں کو کس اسلام کی دعوت دی جارہی ہے۔ زرداری اور نواز شریف کے عقائد کی۔ خدا کے بندو، بندے کے پتر بنو۔ بنی اسرائیل کی طرح تمہارا ستیاناس ہو چکا ہے۔ سب برائیوں کو تم اپنا شعار بنا چکے ہو۔ بھائی کا بھائی گلہ کاٹ رہا ہے۔ پاکستان بنگلہ دیشیوں کے گلے کاٹ چکا ہے۔ سعودی عرب ۵ ہزار حوثی قبائل کو تہہ تیغ کر چکا ہے۔ عراق و شام نے باہم کیا حال کیا ہے۔ ایران اور ترکی کرد مسلمانوں کو کیوں قتل کر رہے ہیں یہود و نصاریٰ کے تم غلام ہو۔ کشکول بردار فقیر کی مانند سب کے آگے جھکنے کی عادت ہو چکی ہے۔ انسانی حقوق سے نابلد یہ قوم کتے سے بدتر زندگی گزار رہی ہے۔ رشوت نے اور ملاوٹ نے تمہارا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ زنا، نے تمہیں رشتوں کا احترام تک بھلا دیا ہے۔ اب بھی کتنی ڈھٹائی سے تم خود کو اسلام کے مدعی قرار دیتے ہو۔ مشرکوں کی طرح سب مزاروں پر سجدہ کناں ہو۔ چوری، دونمبری۔ ملاوٹ، دھوکہ بازی تمہارا قومی نشان ہے۔ پھر بھی تم مسلمان ہے۔ تمہارے عمل نے تمہیں خونخوار دہشت گرد ثابت کر دیا ہے۔ خودکش بمبار کو تمہارے یزیدی علما جنت کا ٹکٹ دیتے ہیں اور یہ علمائے سُو خود کے بچوں کو یورپی ممالک میں رکھ کر پال رہے ہیں۔ یہی علمائے سُو ہنود، یہود و نصاریٰ کی ایجنسیوں RAW, MOASAD,CIA کے ایجنٹ ہیں۔ آنکھیں کھولو۔ تم مسلمان یہود و نصاریٰ کا دیا ہی کھا رہے ہو۔ اور قادیانیوں سے پرہیز۔ اصل اسلام کہاں ہے۔ اسے تلاش کرو اور اس پر عمل کرو۔ تاکہ اصل اسلام کے مغز کو پہچان سکو اگر آپ کے پاس مغز ہے۔ حضرت حکیم الامت علامہ اقبال کی تصدیق۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں یہود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

نیک اعمال

مستنصر حسین تارڑ

ایک سردار جی کے لطیفے نے نہ صرف مجھے چونکا دیا بلکہ مکمل طور پر قائل کر دیا کہ سدا بہار لطیفے دراصل اپنے تصوف کا ایک پوشیدہ پرتو رکھتے ہیں لطیفہ کچھ یوں ہے کہ ایک سردار جی نہایت اہتمام سے چائے پی رہے تھے۔ وہ ایک گھونٹ بھرنے کے بعد چائے کو ایک چمچے سے خُوب ہلاتے، چمچ چائے میں پھیر کر ایک گھونٹ بھرتے اور پھر مسکرانے لگتے۔ وہ یہ عمل بار بار دُہراتے رہے۔ ہر گھونٹ کے بعد چائے کو چمچے سے ہلاتے، ایک اور گھونٹ بھرتے اور مُسکرانے لگتے نزدیک بیٹھے ایک صاحب نے پُوچھا کہ ''سردار جی آپ ہر بار چائے کو چمچے سے ہلا کر گھونٹ بھرنے کے بعد مُسکراتے کیوں ہیں؟ تو سردار جی نے کہا کہ ''ایک بات آج ثابت ہوگئی ہے، چائے میں اگر چینی نہ ڈالو تو لاکھ اُسے چمچے سے ہلاؤ وہ کبھی بھی میٹھی نہیں ہوگی'' اگر نیک اعمال کی چینی آپ کی حیات میں نہ ہو تو آپ لاکھ عبادتیں کریں، تسبیح پھیریں، فیصلہ تو اعمال کی چینی سے ہوگا ورنہ روزِ حشر آپ کی اگلی پُوری زندگی پھیکی ہی رہے گی شاہ حسین اور بابا بلھے شاہ کے اکثر شعروں میں یہی پیغام ہے، ''کہ اگر عمل مفقود ہے تو تم پھیکے کے پھیکے رہو گے، کبھی میٹھے نہ ہو گے'' اُچیاں بانگاں او ہو دیندے، نیت جنہاں دی کھوٹی ہو۔

لیجنڈ اشفاق احمد (تلقین شاہ)

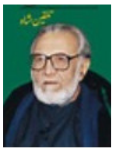

ایک فوتگی کے موقع پر میں نیم غنودگی میں کچھ سویا ہوا تھا اور کچھ جاگا ہوا نیم دراز سا پڑا تھا۔ وہاں بچے بھی تھے جو آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے کی بات نے مجھے چونکا دیا وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی فوت ہوجائے تو بڑا مزہ آتا ہے۔ ہم سب اکٹھے ہوجاتے ہیں اور سارے رشتہ دار ملتے ہیں'' ہر ایک بچے نے کہا کہ 'اب پتہ نہیں کون فوت ہوگا' نانا ناصر الدین بوڑھے ہوچکے ہیں' ان کی سفید داڑھی ہے شاید اب وہ فوت ہونگے۔ اس پر جھگڑا اکھڑا ہوگیا اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے۔ کچھ بچوں کا موقف تھا کہ پھوپھی زہرا کافی بوڑھی ہوگئی ہیں وہ جب فوت ہونگی تو ہم انشاءاللہ فیصل آباد جائیں گے اور وہاں ملیں گے اور خوب کھیلیں گے' خواتین حضرات! میں آپ کو ایک خوشخبری دوں کہ اس بحث میں میرا نام بھی آیا۔ میری بھانجی کی چھوٹی بیٹی جو بہت چھوٹی ہے اس نے کہا کہ 'نانا اشفاق بھی بہت بوڑھے ہوچکے ہیں'' خواتین وحضرات! شاید میں چونکا بھی اس کی بات سن کر تھا۔ جو میرے حمایتی بچے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ جب نانا اشفاق فوت ہونگے تو بہت رونق لگے گی کیونکہ یہ بڑے مشہور ہیں۔ جب بچوں کا جھگڑا کچھ بڑھ گیا اور ان میں تلخی بڑھنے لگی تو ایک بچے نے کہا کہ 'جب نانا اشفاق فوت ہونگے تو گورنر آئیں گے۔

اس پر ایک بچے نے کہا کہ نہیں گورنر نہیں آئیں گے بلکہ وہ پھولوں کی ایک چادر بھیجیں گے کیونکہ گورنر بہت مصروف ہوتا ہے۔ تمہارے دادا یا نانا ابو اتنے بھی بڑے آدمی نہیں کہ ان کے فوت ہوجانے پر گورنر آئیں گے' وہ بچے بڑے تلخ، سنجیدہ اور گہری سوچ بچار کے ساتھ آئندہ ملنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ ظاہر ہے بچوں کو تو اپنے دوستوں سے ملنے کی بڑی آرزو ہوتی ہے نا! ہم بڑوں نے ایسا ماحول بنا دیا ہے کہ ہم رشتے بھول کر کچھ زیادہ ہی کاروباری ہوگئے ہیں۔ چیزوں کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں حالانکہ چیزیں ساتھ نہیں دیتیں۔ ہم جانتے ہیں کہ رشتے طاقتور ہوتے ہیں اور ہم رشتوں کے حوالے سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ خدا کے لئے کوشش کریں کہ ہم اپنے رشتوں کو جوڑ سکیں ایسی خلیج حائل نہ ہونے دیں کہ ملاقاتیں صرف کسی کے فوت ہوجانے کی مرہون منت ہی رہ جائیں کیا ہم ان بچوں کی طرح اس بات کا انتظار کریں گے کہ کوئی مرے پھر ہم مجبوری کے ساتھ لاٹھی ٹیکتے ہوئے یا چھڑی پکڑے وہاں جائیں۔ جب ہم کہیں جائیں تو یہ فخر دل میں ہونا چاہیئے کہ میں ایک شخص سے ملنے جارہا ہوں مجھے اس سے کوئی دنیاوی غرض نہیں ہے۔ اس کے پاس اس لیے جارہا ہوں کہ وہ مجھے بہت پیارا ہے۔ چاہے ہم اس کام کے لئے کم وقت دیں لیکن دیں ضرور۔

بستر کی چادر

(اشفاق احمد)

بستر کی چادر نہ بدلنا امراض کا خطرہ بڑھاتا ہے بستر پر صاف چادر کس کو اچھی نہیں لگتی مگر آپ بیڈ پر بچھی چادر کو کب بدلتے ہیں؟ اگر تو وہ کئی ہفتے بستر پر رہتی ہے تو آپ کے لئے بری خبر یہ ہے کہ وہ صحت کے لیے تباہ کن بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ درحقیقت ہر ہفتے بستر کی چادر بدلنا ضروری ہوتا ہے 7 دن میں یہ چادر ڈسٹ مائٹس، فنگل، فضلے کے اجزاء، پولن اور مردہ انسانی خلیات سے بھر جاتی ہے اور اس طرح وہ ٹوائلٹ سے بھی زیادہ جراثیموں سے بھر سکتی ہے۔ دن بھر میں اوسطاً ہر انسان سے 500 ملین خلیات کا اخراج ہوتا ہے جبکہ دیگر اجزاء بھی رات بھر بستر کی چادر پر جمع ہوتے رہتے ہیں جن میں سے ڈسٹ مائٹس انسانی مردہ خلیات کو کھانا پسند کرتے ہیں۔ امریکن اکیڈمی آف ڈرماٹولوجی کے مطابق اگر چادر کو ہر ہفتے نہ بدلا جائے تو آپ خود کو سنگین وائرس اور انفیکشن کے خطرے کی زد میں لا رہے ہوتے ہیں۔ جن میں جلد یا زخم کا انفیکشن، پیشاب کی نالی کی سوزش، نمونیا اور دوران خون کا انفیکشن قابل ذکر ہے۔ ویسے ضروری نہیں کہ چادر نہ بدلنے سے اوپر درج بیماریوں کا سامنا ہو مگر اس کا امکان ضرور بڑھتا ہے، جبکہ اس کے ساتھ جلد کی سطح متاثر ہونے کا خدشہ بھی ہوتا ہے، جس سے کیل مہاسے اور دیگر مسائل ابھر سکتے ہیں۔ اس عرصے میں چادر نہ بدلنا اسے اور بستر دونوں کو ان ننھے کیڑوں کی ضیافت گاہ بنا دیتا ہے اور جب آپ رات کو سوتے ہیں جسم سے خارج ہونے والی نمی بھی اس کا حصہ بنتی ہے۔ طبی ماہرین ہر ہفتے ایک بار چادر کو دھونے کا مشورہ دیا گیا ہے یا یوں کہہ لیں ہفتے میں ایک بار اسے بدل ضرور دیں تاہم ایسا بہت کم افراد کرتے ہیں۔ چادر کو دھونے کے لیے گرم پانی کا استعمال کرنا چاہیئے تاہم ایسا کرنے سے پہلے اس پر دیئے گئے لیبل پر ہدایات کو بھی ضرور دیکھ لیں۔ تاہم یہ واضح ہے کہ گرم پانی بیشتر جراثیموں کو ختم کرنے کے ساتھ ڈسٹ مائٹس کو نکال دیتا ہے۔

****

پاک فوج زندہ باد

اے آر خان

پہلے پوری تحریر پڑھ لیں پھر اپنی رائے دیں، شکریہ ہمارے ٹیکسوں پر پلتی فوج، ہمارے ٹیکسوں سے لی گئی بندوقیں، ہمارے ٹیکسوں سے تنخواہ لیتی فوج، ہمارے ٹیکسوں سے ہی وغیرہ وغیرہ۔ یہ گردان عام سنی ہوگی آپ نے مگر حساب نہیں کیا ہوگا۔ چنانچہ آج میں نے سوچا آپ احباب کے سامنے افواج کی ٹیکس خوری کا بھانڈہ پھوڑ ہی دوں۔ پہلے پہل تو یہ رٹ بھی لگائی گئی تھی کہ فوج 70 سے 80 پرسنٹ بجٹ کھا جاتی ہے ملک کا۔ خیر جب اِس چول کے جواب میں ان دانشور حضرات کو فگرز نکال کر دکھائے گئے تو بوتھا شریف بند ہو گیا۔ کیونکہ لیٹسٹ بجٹ میں تمام تر انکریمنٹ لگنے کے بعد بھی ٹوٹل کا 18 پرسنٹ تھا جو دفاعی بجٹ کے لیے مختص کیا گیا۔ چلیں اسی کو لے کر چلتے ہیں کہ ان 18 پرسنٹ سے فوج کیا کیا گلچھرے اُڑاتی ہے۔

8 لاکھ فوج کی نقل و حرکت کے لیے گاڑیاں اِن 18 پرسنٹ میں، ہزاروں گاڑیوں کا فیول اِن 18 پرسنٹ میں، ہزاروں گاڑیوں کی مینٹینس ر ریپئرنگ اِن 18 پرسنٹ میں، میڈیکل اِن 18 پرسنٹ میں، ادویات اِن 18 پرسنٹ میں، مشینری اِن 18 پرسنٹ میں، میزائل اِن 18 پرسنٹ میں، راکٹ اِن 18 پرسنٹ میں، تمام قسم کے بم اِن 18 پرسنٹ میں، بندوقیں اِن 18 پرسنٹ میں، گولیاں بھی اِن 18 تک پرسنٹ میں، ٹینک اِن 18 پرسنٹ میں، توپیں اِن 18 پرسنٹ میں، مارٹر اِن 18 پرسنٹ میں، رہائشیں اِن 18 پرسنٹ میں، 8- لاکھ فوج کا کھانا پینا اِن 18 پرسنٹ میں، 8 لاکھ فوج کی رہائش اِن 18 پرسنٹ میں، ۸ لاکھ فوج کے یونیفارم بھی اِن 18 پرسنٹ میں، بیرکوں ر کیمپوں کی تعمیر و مرمت اِن 18 پرسنٹ میں، فوجی دفتروں کی کرسی سے لے کر تمام فرنیچر تک اِن 18 پرسنٹ میں، اِسٹیشنری کا ایک ایک سامان بھی اِن 18 پرسنٹ میں، تمام تر فوجی جوانوں کی زمینی، ہوائی اور بحری ٹریننگ اِن 18 پرسنٹ میں، موبائل اور فیلڈ فون سے لے کر واکی ٹاکی تک تمام کی تمام کمیونیکیشن اِن 18 پرسنٹ میں، کمپیوٹرز، لیپ ٹاپز وغیرہ اِن 18 پرسنٹ میں فائیٹر جیٹ، گن شپ ہیلی کاپٹر بھی اِن 18 پرسنٹ میں بحری جہاز بھی اِن 18 پرسنٹ میں اور اِن سب کا فیول بھی اِن 18 پرسنٹ میں فوجی بیسز، رَن وے، ہیڈ کوارٹرز تمام تر اِنفراسٹرکچر اِن 18 پرسنٹ میں انٹیلیجنس کے لیے تمام سیٹ اپ بھی اِن 18 پرسنٹ میں ایجنسیز کا تمام خرچہ بھی اِن 18 پرسنٹ میں بیرونِ ملکی کورسز بھی شامل اِن 18 پرسنٹ میں 8 لاکھ فوجیوں کی تنخواہیں وغیرہ بھی اِن 18 پرسنٹ میں۔ اچھا ذرا اور سنیئے، یہ تو بخدا کچھ بھی نہیں، یہ وہ تھا جو بچہ بچہ جانتا ہے، یہ تو وہ تھا جو ایک ایک سویلین جانتا ہے، فوج کے خرچے دفاع کے خرچے کیا ہیں، ایٹمی تنصیبات کی حفاظت کیسے ہوتی ہم کیا جانیں، تم کیا جانو۔

دو ٹکے کے فیسبکی دانشور جسے فوجی ٹریننگ کے دوران تیس سیکنڈ میں ضائع ہو جانے والے پیراشوٹ کی قیمت تک نہیں معلوم تم کیا جانو گے، وطنِ عزیز کی حفاظت پر آنے والے خرچ کو ایٹمی اثاثوں کی حفاظت پر آنے والے خرچ کو۔ بات کرتے ہیں کام کی، سروس کی، کہ فوج کیا کرتی ہے؟ فوج بارڈر پر کھڑی، فوج سمندر میں اُتری، فوج فضا میں بُلند، فوج سیاچن کی بلند و بالا چوٹیوں پر، فوج سبی کی تپتی ہوئی دھوپ میں، دہشتگردوں کے خلاف جانیں گنواتی یہ فوج، انڈیا، امریکہ، اسرائیل کے خلاف محاذ آراء یہ فوج، عالمی صیہونی طاقتوں کے نشانے پر یہ فوج، سرزمین پاک کے ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کرتی یہ فوج، جن سیاستدانوں کے تم تلوے چاٹتے ان کی محافظ یہ فوج، آپریشن ضربِ عضب میں جانیں دیتی یہ فوج، آپریشن راہِ نجات میں قربان ہوتی یہ فوج، آپریشن خیبر ون، ٹو، تھری، فور پر لڑتی یہ فوج، آپریشن ردالفساد میں جان دیتی یہ فوج، زلزلے میں فوج، سیلاب میں فوج، بارشوں میں فوج، طوفان میں فوج، حادثات میں فوج، الیکشن میں فوج، مردم شماری میں فوج، ریسکیو میں فوج، پھر بھی تم بکواس کرتے ہو فوجی پر، اس فوجی پر جو اپنی خوشیاں قربان کرتا ہے۔ اس فوجی پر جو ہر عید، شب برات میں سرحد پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس فوجی پر جس کو اپنی شادی کے لیے بھی تین چھٹیاں ملتیں ہیں۔ اس فوجی پر جس کی منکوحہ رُخصت ہونے سے پہلے اکثر بیوہ ہو جاتی ہے۔ اس فوجی پر جو تمہارے بچوں کی حفاظت کیلئے 6-6 مہینے اپنے بچے کا چہرہ نہیں دیکھتا۔ تم بکواس کرتے ہو ان فوجیوں پر جنھوں نے اپنا پیٹ کاٹ کے ایک ایک دن کی تنخواہ اس پاک سرزمین کے نام کی، کہ کل کو ہم سب کے بچے پیاسے نہ مریں۔ یہ سب اور بہت کچھ کرتی ہے فوج تمھارے ٹیکسوں سے۔ جو میں شاید ٹھیک سے بتا نہ سکوں، گنوا نہ سکوں۔ یہ ہے فوج جس پر تم بھونکتے ہو، کیونکہ تمھیں اس بھونکنے پر ہڈی ڈالی جاتی ہے اور سن لو انسان نما کتو! مجھ سمیت ہر غیرت مند پاکستانی کی للکار سن لو ہماری کھلی جنگ ہے تم تمام سے جو بکواس کرتے ہیں دینِ حق پر، وطنِ عزیز پر اور اس پاک سرزمین کے بہادر سپوتوں یعنی افواجِ پاکستان پر اور ہاں یہ 18 پرسنٹ دے کر احسان نہیں کر رہے تم، یہ ایسے ہی جیسے باقی کے 82 پرسنٹ دے کر تم احسان نہیں کر رہے۔ ذرا مانگو ناں اُن 82 پرسنٹ کا حساب، وہ بھی تو تمھارے ہی ٹیکسز کے پیسے ہیں۔ یہ

وہ 82 پرسنٹ ہیں جو تم سیاستدانوں کو دیتے ہو۔جن کے بدلے وہ تمھارے بچوں کو گاڑیوں تلے روند جاتے۔جن کے بدلے وہ تمھاری زمینوں پر قبضے کر لیتے ہیں،جن کے بدلے وہ تم میں سے کئی کی بہن،بیٹیوں کی عزتوں کو نوچ لیتے ہیں۔جن 82 پرسنٹ سے وہ کئی کنالوں کے بنگلوں میں اپنی نسلوں کو عیش کرواتے۔جن کے بدلے وہ سالوں پوری دنیا میں عیاشیاں کرتے۔جس 82 پرسنٹ سے اربوں کھربوں کی جائیدادیں بناتے ہیں۔اور تم لیٹ جاتے ہو اُن کے سامنے اپنی تشریف رگڑتے ہو وہ تمھیں کتے کی طرح ذلیل کرتے ہیں اور تم سب پھر بھی جئے جئے کے نعرے لگاتے ہو۔تمہارا بس نہیں چلتا کہ اپنے گلے میں پٹہ ڈال کر اِن سیاستدانوں کے پیچھے پیچھے دُم ہلاتے پھرو۔تم حساب لو نا اِن 82 پرسنٹ کا بھی جو تم بیوروکریٹس کو دیتے ہو۔جو تمھاری زمینوں میں کروڑوں کا غبن کرتے ہیں، جو تحصیلدار سارا سارا دن آفس میں بٹھا کر ذلیل کرتے ہیں، جو کلرک دفتروں میں تم سے ہزاروں کی رشوت لیتے ہیں، وہاں کیوں نہیں یاد آتا تمھیں ٹیکس، وہاں کیوں کتے کی طرح زبان نکلی ہوئی ہوتی ہے تمھاری۔تم حساب لو نا اِن 82 پرسنٹ کا جو ڈاکٹروں کو دیتے ہو۔اُس ڈاکٹر کو جس کے تم پاؤں پڑتے ہو کہ آخری سانسوں پر اٹکے تمہارے بچے کو دیکھ لے اور وہ ٹھوکر مار کے کہتا میرے کلینک پر لے آؤ وہاں دیکھوں گا۔تم حساب لو نا اُن 82 پرسنٹ کا جو تم دیتے ہو پولیس والوں کو۔اُن میں وہ پولیس والے بھی ہوتے ہیں جو تم پر ناجائز مقدمات بناتے ہیں، جو تمھارے بوڑھے باپ کو گھر سے اُٹھا کے لے جاتے ہیں، جو جھوٹے کیس بنا کے تشدد کرتے ہیں جو لاکھوں کی رشوت لے کر بھی سالوں تک ذلیل کرتے ہیں۔ وہاں تو تمھاری صاب جی صاب جی بند نہیں ہوتی۔اُن کے سامنے تو رالیں ٹپکا رہے ہوتے ہو۔اُن کے سامنے تو جی حضوری ایسے کرتے ہو کہ جیسے اُنھیں باپ بنا لیا ہو۔ ذرا کرو نہ یہاں بھی بات ٹیکسز کی۔۔۔!!(پولیس کا پورا محکمہ بُرا نہیں ہمارا ٹارگٹ صرف گندے انڈے ہیں) چلیں چھوڑیں بات جو نکلے گی تو دُور تلک جائے گی۔ختم کرتا ہوں مگر جاتے جاتے یہ بتا دوں کہ تم جن 18 پرسنٹ پر اُچھلتے رہتے ہو وہ جنرل باجوہ کو نہیں دیتے کہ لو باجوہ صاحب بانٹ دیں۔ وہ بھی تم انہی سیاستدانوں کو دیتے ہو جن کے دن رات تلوے چاٹتے ہو، وزارتِ دفاع کو دیتے ہو، انہی سیاستدانوں کو جنہیں باقی کے 82 پرسنٹ دیتے ہو۔لیکن اب بس، اب تمھاری بکواسیات سننے والا کوئی نہیں کیونکہ یہ عوام پہچان چکی ہے اپنے محسنوں کو، اپنے محافظوں کو، افواجِ پاکستان کو اور اُن کے اندر موجزن پاک سرزمین کی محبت کو۔ پاکستان زندہ باد افواجِ پاکستان۔ پائندہ باد۔

***

ایک فکر انگیز اور متاثر کن واقعہ

2 پراٹھے خیرات

رجل

خوشاب

ابونصر الصیاد نامی ایک شخص، اپنی بیوی اور ایک بچے کے ساتھ غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایک دن وہ اپنی بیوی اور بچے کو بھوک سے نڈھال اور بلکتا روتا گھر میں چھوڑ کر خود غموں سے چور کہیں جا رہا تھا کہ راہ چلتے اس کا سامنا ایک عالم دین احمد بن مسکین سے ہوا، جسے دیکھتے ہی ابونصر نے کہا؛ اے شیخ میں دُکھوں کا مارا ہوں اور غموں سے تھک گیا ہوں۔ شیخ نے کہا میرے پیچھے چلے آؤ، ہم دونوں سمندر پر چلتے ہیں۔ سمندر پر پہنچ کر شیخ صاحب نے اُسے دو رکعت نفل نماز پڑھنے کو کہا، نماز پڑھ چکا تو اُسے ایک جال دیتے ہوئے کہا اسے بسم اللہ پڑھ کر سمندر میں پھینکو۔ جال میں پہلی بار ہی ایک بڑی ساری عظیم الشان مچھلی پھنس کر باہر آ گئی۔ شیخ صاحب نے ابونصر سے کہا، اس مچھلی کو جا کر فروخت کرو اور حاصل ہونے والے پیسوں سے اپنے اہل خانہ کیلئے کچھ کھانے پینے کا سامان خرید لینا۔ ابونصر نے شہر جا کر مچھلی فروخت کی، حاصل ہونے والے پیسوں سے ایک قیمے والا اور ایک میٹھا پراٹھا خریدا اور سیدھا شیخ احمد بن مسکین کے پاس گیا اور اسے کہا کہ حضرت ان پراٹھوں میں سے کچھ لینا قبول کیجئے۔ شیخ صاحب نے کہا اگر تم نے اپنے کھانے کیلئے جال پھینکا ہوتا تو کسی مچھلی نے نہیں پھنسنا تھا، میں نے تمہارے ساتھ نیکی گویا اپنی بھلائی کیلئے کی تھی نا کہ کسی اجرت کیلئے۔ تم یہ پراٹھے لے کر جاؤ اور اپنے اہل خانہ کو کھلاؤ۔

ابونصر پراٹھے لئے خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ اُس نے راستے میں بھوکی ایک عورت کو روتے دیکھا جس کے پاس ہی اُس کا بیحال بیٹا بھی بیٹھا تھا۔ ابونصر نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے پراٹھوں کو دیکھا اور اپنے آپ سے کہا کہ اس عورت اور اس کے بچے اور اُس کے اپنے بچے اور بیوی میں کیا فرق ہے، معاملہ تو ایک جیسا ہی ہے، وہ بھی بھوکے ہیں اور یہ بھی بھوکے ہیں۔ پراٹھے کن کو دے؟ عورت کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو اس کے بہتے آنسو نا دیکھ سکا اور اپنا سر جھکا لیا۔ پراٹھے عورت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا یہ لو؛ خود بھی کھاؤ اور اپنے بیٹے کو بھی کھلاؤ۔ عورت کے چہرے پر خوشی اور اُس کے بیٹے کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ابونصر غمگین دل لئے واپس اپنے گھر کی طرف یہ سوچتے ہوئے چل دیا کہ اپنے بھوکے بیوی بیٹے کا کیسے سامنا کرے گا؟ گھر جاتے ہوئے راستے میں اُس نے ایک منادی والا دیکھا جو کہہ رہا تھا؛ ہے کوئی جو اُسے ابونصر سے ملا دے۔ لوگوں نے منادی والے سے کہا یہ دیکھو تو، یہی تو ہے ابونصر۔ اُس نے ابونصر سے کہا؛ تیرے باپ نے میرے پاس آج

سے بیس سال پہلے تیس ہزار درہم امانت رکھے تھے مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ ان پیسوں کا کرنا کیا ہے۔ جب سے تیرا والد فوت ہوا ہے میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں کہ کوئی میری ملاقات تجھ سے کرا دے۔ آج میں نے تمہیں پا ہی لیا ہے تو یہ لو تیس ہزار درہم، یہ تیرے باپ کا مال ہے۔ ابو نصر کہتا ہے: میں بیٹھے بٹھائے امیر ہو گیا۔ میرے کئی کئی گھر بنے اور میری تجارت پھیلتی چلی گئی۔ میں نے کبھی بھی اللہ کے نام پر دینے میں کنجوسی نہ کی، ایک ہی بار میں شکرانے کے طور پر ہزار ہزار درہم صدقہ دے دیا کرتا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر رشک آتا تھا کہ کیسے فراخدلی سے صدقہ خیرات کرنے والا بن گیا ہوں۔ ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ حساب کتاب کا دن آن پہنچا ہے اور میدان میں ترازو نصب کر دیا گیا ہے۔ منادی کرنے والے نے آواز دی ابو نصر کو لایا جائے اور اُس کے گناہ و ثواب تولے جائیں۔ کہتا ہے: پلڑے میں ایک طرف میری نیکیاں اور دوسری طرف میرے گناہ رکھے گئے تو گناہوں کا پلڑا بھاری تھا۔ میں نے پوچھا آخر کہاں گئے ہیں میرے صدقات جو میں اللہ کی راہ میں دیتا رہا تھا؟ تو لنے والوں نے میرے صدقات نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیئے۔ ہر ہزار ہزار درہم کے صدقہ کے نیچے نفس کی شہوت، میری خودنمائی کی خواہش اور ریا کاری کا ملمع چڑھا ہوا تھا جس نے ان صدقات کو روئی سے بھی زیادہ ہلکا بنا دیا تھا۔ میرے گناہوں کا پلڑا ابھی بھی بھاری تھا۔ میں رو پڑا اور کہا، ہائے رے میری نجات کیسے ہو گی؟ منادی والے نے میری بات کو سُنا تو پھر پوچھا: ہے کوئی باقی اس کا عمل تو لے آؤ۔ میں نے سُنا ایک فرشتہ کہہ رہا تھا ہاں اس کے دیئے ہوئے دو پُراٹھے ہیں جو ابھی تک میزان میں نہیں رکھے گئے۔ وہ دو پُراٹھے ترازو پر رکھے گئے تو نیکیوں کا پلڑا اُٹھا ضرور مگر ابھی نا تو برابر تھا اور نا ہی زیادہ۔ مُنادی کرنے والے نے پھر پوچھا: ہے کچھ اس کا اور کوئی عمل؟ فرشتے نے جواب دیا ہاں اس کیلئے ابھی کچھ باقی ہے۔ منادی نے پوچھا وہ کیا؟ کہا اُس عورت کے آنسو جسے اس نے اپنے دو پراٹھے دیئے تھے۔ عورت کے آنسو نیکیوں کے پلڑے میں ڈالے گئے جن کے پہاڑ جیسے وزن نے ترازو کے نیکیوں والے پلڑے کو گناہوں کے پلڑے کے برابر لا کر کھڑا کر دیا۔ ابو نصر کہتا ہے میرا دل خوش ہوا کہ اب نجات ہو جائے گی۔ منادی نے پوچھا ہے کوئی کچھ اور باقی عمل اس کا؟ فرشتے نے کہا: ہاں، ابھی اس بچے کی مُسکراہٹ کو پلڑے میں رکھنا باقی ہے جو پراٹھے لیتے ہوئے اس کے چہرے پر آئی تھی۔ مسکراہٹ کیا پلڑے میں رکھی گئی نیکیوں والا پلڑا بھاری سے بھاری ہوتا چلا گیا۔ منادی کرنے والا بول اُٹھا یہ شخص نجات پا گیا ہے۔ ابو نصر کہتا ہے: میری نیند سے آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے آپ سے کہا: اے ابو نصر آج تجھے تیرے بڑے بڑے صدقوں نے نہیں بلکہ ’’آج تجھے تیری 2 روٹیوں نے بچا لیا۔

***

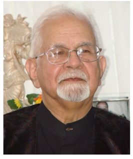

پوپ کہانی انڈرسٹینڈنگ

مقصود الٰہی شیخ

پورے چار سال بعد ناظم حسین انگلستان میں آکسفورڈ سے تعلیم مکمل کر کے گھر آیا گھر خوشی کے دھنک رنگوں میں نہا گیا وہ ہر فرد کے لئے تحفوں کا انبار لے کر آیا تھا ناظم کے آنے کی خوشی اوپر سے، ہر کسی کے خیال سے اُونچا تحفہ سبھی جھوم اُٹھے دادا ابا نے پوچھا کیا وہاں پارٹ ٹائم جاب بھی کرتے تھے؟ شور میں سوال گم ہو گیا وہ رات یادگار بن گئی کب صبح ہوئی؟ یہ احساس دن چڑھے ہوا۔ چار دن بعد ناظم بھیا کی سالگرہ تھی اب کے گھر والوں کی باری جشن منانے کی تھی سبھوں نے دھوم دھڑ کے کا زبردست پروگرام بنایا ناظم کے آنے پر رات سے صبح ہوئی تھی اب کے سالگرہ کا دن اتوار کو پڑا کوئی کسر نہ چھوڑی گئی دھوم دھڑ کا! ہلا گلا!! واہ بھئی واہ!! اتوار کیا آیا شور شرابا، غل غپاڑا آس پاس تک کے گھر ایک طرف پورا محلہ گونج اُٹھا کیک کاٹنے پر ڈھنڈیا مچا دادا ابا... دادا ابا؟؟ یہاں وہاں، کہیں نظر نہیں آ رہے تھے دادا کے بغیر رسم کیسے پوری ہو سکتی تھی؟ ناظم کی غیر حاضری میں بھی اس کے لئے پچاس پونڈ الگ رکھ دیتے تھے دادا غائب تھے پچاس پونڈ کی کمی محسوس کرتا تو ناظم حقیقت میں دادا ابا کی غیر حاضری غیر معمولی تھی نظروں نے نظروں کو ٹٹولا پتہ لگا دادا ابا نڈھال یاس میں گھرے اپنے کمرے میں پڑے ہیں گھیر گھار کے دادا کو لایا گیا دادا ابا نے کیک کاٹنے کی رسم میں شرکت تو کی مگر کیک نہیں کھایا چائے نہ پی!! اصرار پر کہا جانتے تو ہو مجھے شوگر ہے! بڑی بہو نے اپنے بیٹے ناظم کو جتایا یہ کوئی آج کی بات ہے بیس برس سے زیادہ ہو گئے ہوں گے۔ دادا بچت کر گئے دادا سُنی اَن سنی کر گئے اچانک ناظم سب کو ہٹا کر آگے آیا روہانسا، آنسو اب گرے کہ تب گرے والہانہ دادا سے لپٹ گیا بولا غلطی ہو گئی، بڑی سخت نادانی ہو گئی کوئی کیا سمجھا، کہنا چاہیے کوئی کچھ نہ سمجھا دادا ابا کے ہونٹوں پر تبسم آیا مہمان تک حیران! دیکھتے دیکھتے دادا ابا نے کیک کھا لیا اور چائے بھی پی لی پھر دادا نے کاغذی رومال سے مونچھیں صاف کرتے ہوئے پُرجوش آواز میں کہا، میاں ناظم حسین! اس سے پہلے کوئی ہاتھ صاف کر جائے اپنے تکیے کے نیچے پڑا تحفہ اُٹھا لینا،!! ہمیشہ کی طرح پچاس پونڈ کا نوٹ رکھا ملے گا۔

رابطہ: ای میل: maqsood.e.sheikh@googlemail.com

روس کی عظمت

عاصی صحرائی

روس بیک وقت حیران کن اور دلچسپ ملک ہے' یہ دنیا کے 11 فیصد رقبے پر محیط ہے' گیارہ ٹائم زون ہیں' ملک کے اندر 9 گھنٹے کی فلائیٹس بھی چلتی ہیں' سرحد گیارہ ملکوں سے ملتی ہے' یہ جنوب میں جاپان' چین' شمالی کوریا اور منگولیا سے ملتا ہے' درمیان میں سنٹرل ایشیا کے ملکوں قزاقستان' تاجکستان' ازبکستان' ترکمانستان' آذر بائیجان' جارجیا اور آرمینیا' یورپ کی سائیڈ سے یوکرائن' رومانیہ' بلغاریہ' بیلا روس' لتھونیا' لٹویا اور اسٹونیا' قطب شمالی کی طرف سے فن لینڈ اور ناروے اور یہ دنیا کے آخری سرے سے الاسکا کے ذریعے امریکا سے بھی جڑا ہوا ہے۔ روس کی تین سرحدیں انتہائی دل چسپ ہیں' یہ سینٹ پیٹرز برگ سے فن لینڈ سے ملتا ہے' پیٹر برگ سے ٹرین یا فیری کے ذریعے فن لینڈ جانا ایک رومانوی تجربہ ہے' ناروے کے علاقے سورو رینجر اور روس کے شہر پیچنگ سکی کے درمیان دس منٹ کا فاصلہ ہے' لوگ یہ فاصلہ پیدل عبور نہیں کر سکتے چناں چہ یہ روسی علاقے سے سائیکلیں لیتے ہیں' سائیکل پر ناروے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر سائیکل سرحد پر پھینک کر آگے روانہ ہو جاتے ہیں' سورو رینجر شہر دنیا میں بے کار سائیکلوں کا قبرستان بن چکا ہے' شہر میں سائیکلوں کے ڈھیر کی وجہ معیار ہے' روسی سائیکلیں یورپین معیار کے مطابق نہیں ہوتیں چنانچہ نارویجین اتھارٹی روسی سائیکل آگے لے جانے کی اجازت نہیں دیتی لہٰذا یہ انہیں سرحد پر پھینک جاتے ہیں' امریکی ریاست الاسکا اور روس کے درمیان بھی پانی کا چھوٹا سا چینل ہے' چینل کی دونوں سائیڈز سے فیری بھی چلتی ہے اور چھوٹے جہاز بھی' یہ بیس منٹ کا فاصلہ ہے لیکن دونوں کے درمیان چوبیس گھنٹے کا فرق ہے۔

آپ جوں ہی روس سے امریکا میں داخل ہوتے ہیں آپ چوبیس گھنٹے آگے چلے جاتے ہیں' دنیا میں جنگلات کا سب سے بڑا ذخیرہ بھی روس میں ہے' دنیا کے 25 فیصد درخت روس میں ہیں چنانچہ یہ پوری دنیا کو آکسیجن فراہم کرتا ہے۔ دنیا کا 34 فیصد میٹھا پانی بھی روس میں ہے' جھیل بیکال دنیا میں میٹھے پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے' دنیا کا سب سے بڑا دریا والگا بھی روس میں بہتا ہے' دنیا کے سب سے زیادہ دریا بھی روس میں ہیں' اس ملک میں 36 دریا بہتے ہیں' دنیا کا سرد ترین مقام اومیا کان بھی روس میں ہے' اومیا کان کا درجہ حرارت منفی 55 ڈگری سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے' 1983ء میں اس کا درجہ حرارت منفی 88.2 ڈگری سنٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا' دوسرا سرد ترین مقام ویرخویانسک بھی روس میں ہے۔ ویرخویانسک کا درجہ حرارت منفی 45 ڈگری تک گر جاتا ہے لیکن اس کے باوجود دونوں ٹاؤنز میں زندگی چلتی رہتی ہے' ان دیہات تک صرف سردیوں میں پہنچا جا سکتا ہے' کیوں؟ کیوں کہ سردی میں دریا جم جاتے ہیں اور ان جمے ہوئے دریاؤں پر ٹرک بسیں اور گاڑیاں دوڑنے لگتی ہیں۔ دنیا کا گہرا ترین میٹرو سٹیشن بھی روس کے شہر سینٹ پیٹرز برگ میں ہے' اس کی گہرائی 86 میٹر ہے' ماسکو کی زیر زمین ٹرین بھی زمین سے 82 میٹر گہرائی تک جاتی ہے' یہ اوسطاً 40 میٹر گہری ہے اور اس کے سٹیشن دیکھنے کے قابل ہیں۔ یہ شاہی محلات اور آرٹ کا نمونہ دکھائی دیتے ہیں' ماسکو کے زیر زمین ریلوے سے روزانہ 60 لاکھ لوگ سفر کرتے ہیں' روسی لوگ بہت خوب صورت اور سمارٹ ہیں' یہ لوگ مسکراتے نہیں ہیں' آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہوگی روس میں بچوں کو سکول میں نہ مسکرانے کی ٹریننگ دی جاتی ہے لہٰذا آپ کو اگر روس میں کوئی شخص قہقہہ لگاتا ہوا نظر آئے تو آپ جان لیں یہ روسی نہیں یہ غیر ملکی ہے۔ یہ لوگ انگریزی جانتے ہیں اور نہ بولتے ہیں' ماسکو شہر میں فی کس آبادی کے لحاظ سے دنیا کے سب سے زیادہ ارب پتی رہتے ہیں لیکن آپ کو اس کے باوجود ملک کے کسی حصے میں دولت کا وحشیانہ رقص نظر نہیں آتا' یہ بلا کے توہم پرست بھی ہیں' یہ نئے گھر میں پہلے بلی کو بھجواتے ہیں اور پھر خود داخل ہوتے ہیں' بلی اگر گھر میں داخل نہ ہو تو یہ گھر گرا دیتے ہیں یا پھر بیچ دیتے ہیں' یہ دولت مند ہونے کے لیے اپنے بائیں ہاتھ سے کتے کا پاؤں رگڑتے ہیں اور پیٹر دی گریٹ کے مجسمے کے نیچے سکے پھینکتے ہیں۔ روس میں دولہا اور دولہن چرچ میں شادی کے بعد شادی کے لباس میں شہر کا چکر لگاتے ہیں' یہ لوگ آہستہ بولتے ہیں' مہمان نواز ہیں' ماسکو شہر میں صرف 80 دن جب کہ سینٹ پیٹرز برگ میں 56 دن سورج نکلتا ہے۔

پورے ملک میں سال کے باقی دن دھند' بادل اور بارش رہتی ہے۔ یہ لوگ اولاد کو ترسے ہوئے ہیں' حکومت دو بچے پیدا کرنے والے خاندان کو دس ہزار ڈالر کے برابر رقم انعام دیتی ہے' تین بچوں کے خاندان کو ''بگ فیملی'' سمجھا جاتا ہے اور حکومت بگ فیملی کو وی آئی پی خاندان ڈکلیئر کر دیتی ہے' بگ فیملی کو ٹرانسپورٹ کی فری سروس' پارکنگ فیس کی معافی' تھیٹر کے مفت پاس اور سال میں دس پندرہ دنوں کے لیے چھٹیوں کی مفت سہولت دی جاتی ہے۔ والدین کسی بھی روسی ریاست میں کسی بھی تفریحی مقام پر مفت چھٹیاں گزار سکتے ہیں اور روس میں سائبیرین ٹرین کے نام سے ایک حیران کن ٹرین بھی چلتی ہے' یہ دنیا کا لمبا ترین ریلوے سفر ہے' یہ ٹرین آٹھ ٹائم زونز کو کراس کرتی ہے اور 87 شہروں اور والگا دریا سمیت 16 دریاؤں کے اوپر سے گزرتی ہے' یہ بھی ایک حیران کن سفر ہے' آپ ٹرین میں بیٹھ کر سائبیریا کے برف ستانوں سے گزرتے ہیں اور فطرت کو

اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں‘ روس میں سرخ رنگ خوب صورتی کی علامت ہے‘ یہ لوگ جس چیز سے محبت کرتے ہیں یہ اس کو سرخ رنگ کر دیتے ہیں‘ ریڈ سکوائر کو خوب صورتی کی وجہ سے ریڈ سکوائر کہا جاتا ہے تاہم یہ بھی درست ہے سکوائر کی زیادہ تر عمارتیں سرخ ہیں‘ لینن کا مقبرہ بھی ریڈ سکوائر میں ہے‘۔

لینن کا انتقال 21 جنوری 1924ء کو ہوا تھا‘ حکومت نے انتقال کے بعد اس کی لاش حنوط کر کے شیشے کے تابوت میں رکھ دی۔ روزانہ سینکڑوں لوگ آتے ہیں اور قطار میں لگ کر بابائے انقلاب کی زیارت کرتے ہیں‘ فضا میں جانے والا پہلا خلانورد یوری گاگارین بھی لینن کے قریب کریملن کے قبرستان میں دفن ہے‘ میوزیم میں ان دونوں کی حنوط شدہ لاشیں موجود ہیں جو یوری گاگارین سے پہلے خلا میں بھجوائے گئے تھے۔ ان کے نام بیلکا اور سٹریلکا تھے اور یہ دونوں کامیابی سے واپس آ گئے تھے‘ سٹریلکا نے بعد ازاں ایک بچے (فی میل) کو جنم دیا جس کا نام پوشنکا رکھا گیا‘ روس نے امریکا کو جلانے کے لیے پوشنکا امریکی صدر جان ایف کینیڈی کی بیگم جیکولین کینیڈی کو گفٹ کر دی‘ یہ جب بھونکتی تھی تو امریکیوں کو محسوس ہوتا تھا پورا روس ان کا مذاق اڑا رہا ہے۔ لہٰذا امریکا نے 1969ء میں نیل آرمسٹرانگ کو چاند پر بھجوانے کا فیصلہ کر لیا‘ روس کے ایئر سپیس پروگرام نے دنیا کو بے شمار سہولتیں فراہم کیں۔ پیمپر اور نیپیز خلانوردوں کے لیے ایجاد ہوئی تھیں‘ یہ آج دنیا بھر کے بچے استعمال کرتے ہیں‘ نوڈلز اور فوری تیار ہونے والی خوراک بھی خلانوردوں کے لیے بنی تھی‘ ماڈرن ٹریک سوٹس‘ جی پی ایس‘ دانتوں کے بریسز کی تاریں‘ جہازوں میں استعمال ہونے والے کموڈز اور ٹیوبوں اور ٹرے میں اُگائی جانے والی سبزیاں بھی خلانوردوں کے لیے ایجاد ہوئی تھیں لیکن یہ آج ہم جیسے لوگ استعمال کر رہے ہیں۔ ایک خلانورد 10 سال میں تیار ہوتا ہے۔ یہ لوگ حقیقتاً جان نثار ہوتے ہیں‘ یہ جانتے ہیں یہ شاید ہی واپس آ سکیں۔ لیکن یہ اس کے باوجود انسان کا فخر بن کر خلا کے سمندر میں اتر جاتے ہیں‘ سپیس میوزیم میں ان دونوں ریاضی دانوں کی تصویریں بھی لگی ہیں جن کی کیلکولیشن پر سفر کر کے انسان نے خلا میں قدم رکھا تھا اور پیچھے رہ گیا کریملن تو یہ صدیوں سے روس کے بادشاہوں اور انقلابی لیڈروں کی سرکاری رہائش گاہ اور دفتر چلا آ رہا ہے‘ روس کے موجودہ صدر ولادی میر پیوٹن بھی کریملن میں بیٹھے ہیں۔ گہرائی میں ماسکو کا عظیم شہر بکھرا ہے‘ یہ وہ شہر ہے جس کے بارے میں ہٹلر نے کہا تھا ”جس نے ماسکو فتح کر لیا گویا اس نے پوری دنیا فتح کر لی‘ وہ فاتح اعظم بن گیا“‘ لیکن آپ کمال دیکھیے روسیوں نے آج تک کسی شخص کو فاتح اعظم نہیں بننے دیا‘ ہٹلر یہ خواب دیکھتے دیکھتے دنیا سے رُخصت ہو گیا مگر ماسکو اپنی جگہ قائم رہا۔

***

سخن فہمی

رانا عبدالرزاق خان لندن

شعراء ہمیشہ کسی نہ کسی رنگ میں سخن فہمی عالم بالا معلوم شدہ کا نعرہ بلند کرتے چلے آئے ہیں۔ اس نعرہ میں تو جھنجھلاہٹ ہے۔ لیکن شعراء کے ہاں ایسے اشعار بھی بکثرت ملیں گے جس میں حرماں اور تحسر کا رنگ جھلکتا ہے۔ جن کی بنا اَبنائے زمان کی ناقدر شناسی سخن ہے۔ اس شکوہ شکایت کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے۔ فارسی کا کم و بیش ہر بڑا شاعر اس بات کا شاکی نظر آتا ہے کہ لوگ نہ سخن فہم ہیں نہ سخن شناس۔ قدردانی ہو تو کس طرح ہو؟۔ اردو شعراء کا بھی یہی حال ہے۔ میرؔ سادگی میں سہل ممتنع کے مقام تک پہنچتے ہیں۔ اس کے باوصف وہ بھی یہی کہتے سنائی دیتے ہیں۔ کہ سخن فہم نہیں ملتے۔ غالبؔ اور بیدلؔ نے تو خیر اس موضوع پر بہت سے اشعار لکھے ہیں۔ حالیؔ نے بھی کہہ دیا۔

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

علوم مجلسی پر جن لوگوں نے مشرقی وضع داری اور آداب پر کتب لکھی ہیں۔ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ سخن گوئی آسان ہے اور سخن فہمی مشکل۔ یاد رکھیئے کہ غالب نے اپنے دیوان کی اشاعت سے پہلے سخن فہم دوستوں کی ایک مجلس بنائی تھی جس کے رکن نواب مصطفی خاں شیفتہ بھی تھے۔ انہی کے متعلق غالبؔ نے کہا ہے۔ نہ نوشت دیواں در غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد۔ غالب کے لئے ایسا کہنا بڑی بات ہے اور شاید اس بات کی دلیل قاطع ہے۔ کہ سخن فہمی کا مقام سخن گوئی سے بلند تر ہے۔ مجلس مشاعرہ ہو یا کوئی اور محفل، شاعر کی نظریں ہمیشہ سخن فہم کی تلاش میں رہتی ہیں۔ سخن فہم کے داد دینے کا انداز اسلوب، رسمی داد دینے والوں سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اور شاعر کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کی نظر حسن کلام کی باریکیوں اور اظہار کی نزاکتوں تک پہنچ رہی ہے۔ سخن گوئی اس زمانہ میں پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ یوں بھی سخن گوئی کا عمل فنونِ لطیفہ میں سب فنون سے زیادہ پُر اسرار، حیرت پرور اور پیچ دار ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ افکار، دل کی واردات، ذہنی تصورات، الفاظ کا جامہ پہننے سے پہلے کئی بار شاعر کی گرفت میں آتے ہیں اور نکل جاتے ہیں۔ کبھی ردیف مانع اظہار ہوتی ہے کبھی قافیہ۔ کبھی وزن کی پابندی، بہرحال تشکیل لفظی سے پہلے سخن گو کو عجیب عجیب منزلوں اور مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے وہ اس بات کا شعور کامل حاصل کرتا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ جب یہ شعور حاصل ہو جاتا ہے تو

ایک اُلجھن دور ہوجاتی ہے۔ کہ سخن گو کو بقطع ویقین اپنی واردات ذہنی اوران کی نوعیت کی دلالتوں کا علم ہوجاتا ہے۔لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔اب سخن گو کے سامنے، واردات کے اظہار کے لئے الفاظ کے انتخاب کا مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ بھی بہت ہی نازک اور پُراسرار مقام ہے۔ پہلے تو یہاں شاعر کے مبلغ علم کا امتحان ہوتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ جوالفاظ اظہار کے لئے موزوں ہوں وہ شاعر کے پاس ذخیرہ الفاظ موجود ہی نہ ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے الفاظ تو ہوں مگر ان کے درست معنی شاعر کو معلوم نہ ہوں۔

فرض کریں یہ دونوں تو ہوں مگر ترکیب استعمال کا پتہ نہ ہو۔اس منزل سے گزرا تو وارداتِ ذہنی نے الفاظ کا جامہ ضرور پہنا۔یعنی ذہن میں ابھی شعروجود میں نہیں آیا۔کیونکہ ابھی یہ منزل باقی ہے۔کہ الفاظ کی ترتیب اوراورنشست کی کیا صورت ہو۔شعر اصلاً جس سماعت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے دل میں اترنے سے پہلے اسے درگوش پر دستک دینی پڑتی ہے۔ یہ مرحلہ بخوبی طے ہوجائے تو تو معنی تابناک کی عروس شرگیں حجلہ الفاظ سے جھانکتے ہیں۔جھانکنے کا لفظ میں جان کر استعمال کیا ہے۔عروسِ معانی سے آنکھیں چار کرنا مشکل سے میسر آتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام مراحل طے کرنے میں کچھ پہلو تشنہء اظہار رہ جاتے ہیں۔اور شاعر گویا پھڑکتا رہ جاتا ہے کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے اپنی پوری کوشش کے باوجود کہہ نہیں پایا۔جس وقت معانی الفاظ میں مقید ہوچکتے ہیں۔تب بھی الفاظ کی نشست اور معانی کی ترتیب بڑے شاعروں کے ہاں ایسی ہوتی ہے کہ سننے والا بھی وہ مطلب اخذ کرتا ہے۔جو مجموعہ الفاظ میں موجود نہیں ہوتا۔لیکن جس پر الفاظ کی ایک خاص چیز دلالت کرتی ہے۔مثلاً مندرجہ ذیل اشعار میں الفاظ کی ترتیب پر غور فرمایئے گا۔

یقیں مارا گیا جرم محبت پر، زہے طالع!
سعادت اسکو کہتے ہیں شہادت اس کو کہتے ہیں

سخن گوئی میں ایک مقام یہ بھی آتا کہ شاعر حقائق بیان کرنے کے لئے تشبیہات و استعارات کا دامن تھامتا ہے۔معمولی تشبیہات واستعارات سے بحث نہیں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ذہنی واردات کو جو شعر کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہیں دوسرے فنون لطیفہ کی اصطلاحات کے ذریعے سامع تک پہنچایا جاتا ہے۔یہی نہیں سخن گوئی میں کم وبیش ہر بڑا شاعر کرتا ہے۔فرق یہ ہے کہ بعض تلمیحات پیش پاافتادہ ہوتی ہیں اور بعض دقیق اورعلوم وفنون کی اصطلاحات پر مبنی تلمیحات ہرطرح کی ہوتی ہیں۔طب، ہیئت، نجوم، تاریخ، فلسفہ، مذہب، فقہ، معانی شعر کے دام خیال سے کوئی چیز نہیں بچتی۔فارسی میں خاقانی تلمیحات کی دقت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہیں۔

اُردو میں اقبال کے ہاں جس کثرت سے تلمیحات ملتی ہیں۔شاید اورکسی کے ہاں اس کی مثال نہ ملے۔فلسفہ، حدیث، اور فقہ ان علوم کی طرف اقبال کا خاص میلان ہے۔سخن فہم کا کمال یہ ہے کہ اس کا مطلب دریافت کرے۔جو مقصود شاعر ہے سخن فہمی ان تمام اشارات ورموز کو سمجھنے کا نام ہے جو شاعر نے شعر میں مخفی رکھے ہیں۔یوں سخن فہمی، سخن گوئی سے زیادہ دشوار ہوجاتی ہے۔سخن فہمی کے لئے ذوق سلیم لازم ہے۔ذوق سلیم کچھ مطالعہ کا، کچھ مشاہدے کا، کچھ محفل آرائی کا، کچھ تربیت کا، کچھ ذاتی اوراجتماعی ماحول کا نتیجہ ہوتا ہے۔اس کی انفرادیت یوں قائم رہتی ہے کہ غزل گوئی میں اثرؔ لکھنوی میرؔ پر جان دیتے ہیں۔اور نیاز فتحپوری مومنؔ پر۔لیکن نہ تو نیازؔ کو میرؔ کے شاعر ہونے پر انکار ہے اور نہ اثرؔ کو مومنؔ کے ناشاعر ہونے پر اصرار ہے۔ہاں اگر کسی شاعر کے متعلق یہ جھگڑا کھڑا ہو جائے کہ یہ شاعر بھی ہے کہ نہیں اور جو لوگ مسلمہ طور پر ذوق سلیم رکھتے ہیں دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔تو افسوس سے ایک گروہ کو مردود ٹھہرانا پڑے گا کہ شعر یا شاعر کی خوبی میں بھی اختلاف رائے نہیں ہوسکتا صرف پسندیدگی کے مدارج ہوسکتے ہیں۔شعر کی تعبیر میں اختلاف ہوسکتا ہے۔شاعر کے عالی رتبہ ہونے پر بحث ہوسکتی ہے یہ بات کبھی متنازعہ فیہ نہیں ہوسکتی کہ فلاں شعر اچھا ہے یا بُرا۔میں نے عرض کیا تھا کہ سخن فہمی، سخن گوئی سے زیادہ مشکل فن ہے۔میرے خیال میں آپ میرے ہم نوا ہوں گے کہ یہ بات غلط نہ تھی سخن فہموں کی تعداد ہمیشہ شعراء کی تعداد سے کم تر رہی ہے اس لئے ان کی بڑی مانگ بھی رہی ہے۔اور شعراء کے نام لے لے کر اپنے دیوانوں میں ان کو سراہا گیا ہے۔

***

اکبر اور بیربل

مبشرہ ناز

''پیلوں پکّیاں نی، پکّیاں نی، وے، آچنڑوں رَل یار'' وہ گا رہا تھا بابا فرید کی زمین میں لکھے یہ بول اجنبی تو نہ تھے۔ میں نے گانے والے کو غور سے دیکھا تالیوں کی گونج میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ میرے اردگرد موتیئے کی خُوشبو پھیلی تھی۔ ''پیلو پیپاں نی، پیپاں نی، وے'' یادوں کی رحل میں رکھا سُنہری غلاف میں لپٹا اِک توتلا لحہ گنگنایا۔ موتیئے کی خُوشبو سے بھری ایک خُوبصورت شام تھی۔ یہ میری اس سے پہلی ملاقات تھی۔ نرم و ملائم مکھن کے پیڑے جیسی ہتھیلی میں میرا ہاتھ تھامے دھیرے سے میرے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے وہ مجُھے گرنے سے بچاتا اوپر کی منزل پر بنی سنہرے صوفوں والی بیٹھک میں لے آیا۔ اُس بچے میں کوئی انوکھی بات ضرور تھی، وہ دِکھنے میں عام بچوں سے مختلف تھا۔ اپنی عمر سے شاید کچھ پیچھے بھی مگر محبت کی عمر۔۔۔؟ پوچھو تو سو سال۔ بوڑھا بابا جسے محبت پر عبور حاصل تھا۔ ''پیلو پَپاں'' کے بولوں نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ''کچے گھڑے تے آئی آں تر کے، سِر موڈھے مہینوال دے دھر کے، کوئی جگانہ یار اکھیاں لگیاں نی، لگیاں نی وے آچنڑوں رَل یار'' گاؤ تکیئے سے ٹیک لگا کر شہنشاہ عالم اکبر بادشاہ مسکرایا۔ وہ سلطان تھا اپنے ابّا کا سلطان خود کو اکبر کہتا اور ابّا کو بیربل۔ ننھے کے ابّا شعر کہا کرتے، ننھے کے دِل پر ابّا کی محبت آیت بن کر اُتری تھی۔ ننھے کا دیوان مکمل تھا۔ ابّا پگڑی پہنتے اور وہ ابّا کا مٹھا بابا بھی پگڑی پہنتا، ابّا لال رنگ کا کُرتا پہنیں گے تو اابّا کا مٹھا بابا بھی لال کُرتا ہی پہنے گا۔ میں نے رنگوں کو اُس کے ساتھ ابّا پر نثار ہوتے، دھمالیں رقص کرتے دیکھا۔ رنگ اس کے ساتھ لڈیاں ڈالتے تھے۔ ننھے کی ہر ہر ادا راگ لگاتی ابّا کے واری جاتی۔ ''راج دلارا میری اکھیوں کا تارا جیوے بنڑا''۔ ایک جیسے لباس میں ملبوس وہ اپنے ابّا کا ہو بہو عکس تھا۔ ابّا کے مٹھا بابا کہنے پر اس کے لب مسکراتے۔ تپتی دوپہر میں رُوح افزا جیسی ٹھنڈی میٹھی مسکراہٹ۔ میں نے رگوں میں رُوح افزاء ٹھنڈک کو اُترتے محسوس کیا۔ مزدور کی سوکھی روٹی کے ساتھ پیاز کی بجائے شہد رکھ دیا ہو جیسے۔ عجب تھا یہ مٹھا بابا بھی ہر انداز جُدا ہر ادا محبوبانہ۔ میں شاید لوک داستانوں میں آ بسی تھی مٹھا بابا ہیر تھا یا سسی۔۔۔؟ ابّا ضرور رانجھا تھے اور سنہرے صوفوں والا گھر تخت ہزارہ۔ دوپہر میں ابّا اُسے سلانے لے گئے لوری کی آواز پر میں نے کمرے میں جھانکا، ابّا سو رہے تھے اور وہ ابّا کے گالوں پر ہاتھ پھیرتے توتلی آواز میں لوری سنا رہا تھا۔۔۔! مسکرا لاڈلے مسکرا، کوئی بھی پھول اتنا نہیں خوبصورت، ہے جتنا یہ مکھڑا تیرا، مسکرا لاڈلے مسکرا، مبارک وہ آنکھ کہ جس نے باپ اور بیٹے کی محبت کا یہ لازوال منظر دیکھا۔ موسیقی رُوح کی غذا ہے اس دن مجُھے یقین ہوگیا۔ ننھے نے گیت اَمر کر دیا۔ لوری کے بولوں نے زندگی کو اُٹھا کر قبوُلیت کے نعمت خانے میں رکھ دیا۔ ''مسکرا لاڈلے مسکرا'' ابّا کا تو مانو سارا جہاں دولہا بنا بیٹھا تھا۔ سُنہرے صوفے پر اپنے ابّا کے ساتھ اُن ہی کے انداز میں ٹانگ پر ٹانگ دھرے ان کے ہر شعر پر داد دیتا، اپنی توتلی آواز میں واہ واہ کہتا، میں نے ننھے سے بیٹے کی باپ سے ایسی والہانہ محبت پہلی بار دیکھی تھی، وہ ابّا کا لختِ جگر تھا اور ابّا اُس کے محبوب، انوکھے لاڈلے کے ابّا۔ وہ عاشق تھا اور ابّا معشوق، ابّا نے پہلو بدلا دائیں کی جگہ بائیں ٹانگ دَھری۔ ہر انداز ہر ادا پر جاں نثار نظر محبوب سے لمحہ بھر کو بھی غافل نہ تھی۔ آنکھ کی جنبش سے پہلے ننھے نے بھی پہلو بدلا دائیں کی جگہ بائیں ٹانگ دھری ابّا کا شعر مکمل ہوتے ہی واہ وااااااہ واہ۔۔۔! اُس کے ہونٹوں سے شبد گویا دُعا کی صورت ادا ہوئے، ابّا نے مٹھا بابا کہہ کر سر پر ہاتھ پھیرا، تپتی دُھوپ بادل کے پیچھے چُھپ گئی، ننھے نے ابّا کے ہاتھ پر بوسہ دیا، کیا ادا تھی، پھر میرا دِل میرے اختیار میں نہیں رہا۔ میں ننھے کی اس ادا پر مر مٹی، حیاتی کا سُودا ادا کرنے بعد جتنی محبت میرے پاس باقی بچی تھی میں نے ساری کی ساری دعاؤں کے تعویذ میں لپیٹ کر ننھے کے بازو پر امام ضامن باندھا۔ سُنہری صوفوں والے گھر سے میں اُس دن پوری واپس نہ آسکی۔ وہ خاص تھا بہت خاص، اس کی آنکھیں ہونٹوں سے ہنسی چُرا کر کھلکھلاتیں، ایسے میں وہ تاروں سے بھرا آسمان دِکھتی تھیں۔ وہ جب ابّا کو دیکھتا تاروں کے درمیاں آنکھوں میں چاند چمکنے لگتا۔ چودھویں کا چاند۔۔۔! ننھے کے ابّا نے کیا خوب کہا تھا۔ ''اندرو اندری یار اولا کلم کلّا مار پتھلا تو دِلاں دِیاں یار لٹنا ایں ہٹیاں نی'' دِل میں بیٹھا یار اوّلا سنتا ہے، ننھا چل نہیں سکتا تھا پندرہ ہزار کا ایک ٹیکہ لگا کرتا۔ پھر ایک دن اچانک وہ چلنے لگا، ابّا جی جان سے لُٹ گئے، اُسی یار کے ہو گئے اور ننھا اُن کا۔ اُسے ابّا جیسا دِکھنا تھا ابّا کی اُنگلی پکڑ کر چلنا تھا۔ اس کا رَبّ تو ابّا تھے۔ ننھا ایک دن بہت بڑا آدمی بنے گا میرے ہونٹوں سے بے

ساختہ ادا ہونے والے الفاظ اُس کی ماں کی آنکھوں میں جگنو بن کر چمکے، پرانے چرچ میں کسی نے شمع روشن کردی تھی، ماں اس رات خواب میں ننھے کے پروں پر اُڑی اُڑی پھری چاند سے ہوتی تاروں پر چلتی فجر کے بعد دعائیں پڑھتے جانے کب ننھے کے بستر سے ٹیک لگائے سوگئی۔ آنکھ میں یار کی یاد کا سرمہ لگا تھا نیند کے خمار سے پرے اِک حسین سپنا پڑا تھا۔'' کچے گھڑے تے آئی آں تر کے سِر موڈھے مہینوال دے دھر کے۔کوئی جگا نہ یار اکھیاں لگیاں وے لگیاں نی وے

"And the award for the best performance goes to...

Peelo Pakiaan"

وہ بے شمار تالیوں کی گونج میں بیسٹ پرفارمنس کا ایوارڈ لے رہا تھا۔ ''پیلو پپیاں'' سے ''پیلو پکّیاں'' کا سفر مہینوال کے موڈھے پر سر رکھے کب طے ہوا کب منزل آئی پتہ ہی نہ چلا۔ ابّا اُسے ایوارڈ لیتے دیکھ رہے تھے، سٹیج پر بیٹھ کر اس نے ٹانگ بائیں ٹانگ پر دھری۔ میں نے دیکھا۔ نظر نے فوراً سے پہلے حکم کی تعمیل کی ابّا نے بھی دائیں ٹانگ بائیں پر دھری، محبت دیوانہ وار دونوں کا طواف کرتی۔ جانے کون عاشق تھا کون معشوق، میں اُسے دعائیں دیتی آج پھر پوری واپس نہ آسکی۔۔۔!'' کچے گھڑے تے

آئی آں تر کے سِر موڈھے مہینوال دے دھر کے

کوئی جگا نہ یار اکھیاں لگیاں وے لگیاں نی وے

ہلدی اور لیموں سے جلد کی حفاظت

آج کل خواتین ہلدی اور لیموں کے مساج سے اپنی جلد کو بہترین غذائیت مہیا کرتی ہیں جس سے ان کی جلد چمک دار اور نرم وملائم ہو جاتی ہے، ایسی جلد ہر قسم کے دانوں سے محفوظ رہتی ہے ہلدی سے چہرے پر مساج کرنے سے چہرے کا رواں ختم ہو جاتا ہے اور تھریڈنگ کی ضرورت نہیں پڑتی اس کے علاوہ رنگت الگ نکھر آتی ہے

جلد سے بالوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ویکس بھی چینی اور لیموں کو ایک خاص مقدار میں مکس کر کے تیار کی جاتی ہے۔ بیسن کا بھوسا اور آٹا بھی جلد کی کلینزنگ میں بے حد کارآمد ثابت ہو رہے ہیں ان قدرتی اشیا کو استعمال کرنے سے جلد کی کم عمری اور صحت وکشش میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب کہ صابن اور دیگر مصنوعی اشیا کی پروڈکٹس مارکیٹ میں ملتی ہیں اور انہیں گھر پر بھی مختلف طریقوں سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ شہد کے مساج سے چہرے کی رنگت ایسی نکھرتی ہے اور آپ کو بیوٹی پارلر جانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

کرتار پور راہ داری کی حقیقت

(اصغر علی بھٹی)

اور یا مقبول جیسے کو بھی شرم آنے لگے تو سوچو وہ جھوٹ کتنا گندہ غلیظ ہو گا کہ چوہڑے کو بھی اس ٹوکرے سے بدبو آ رہی ہے جسے وہ شوق سے سر پر اُٹھائے پھرتا ہے بہرحال اور یا کی تحریر کا کچھ حصہ جو مجھے مشہور صحافی سبوخ سید نے بھیجا ہے۔ اب میں جو بیان کرنے جا رہا ہوں وہ انتہائی کرب، دکھ اور تکلیف سے بتا رہا ہوں۔ ہمارے اس رویئے کی وجہ سے میں بارہا دشمنوں کے سامنے شرمندہ اور لا جواب ہوا ہوں۔ جب سے کرتار پور راہداری کھول کر سکھوں کے مقدس ترین مقام کو راستہ دینے کا اعلان ہوا ہے۔ ہمارے مذہبی، مسلکی، جمہوری اور سیاسی رہنماؤں نے اسے درپردہ قادیانیوں کو سہولت دینے کی سازش قرار دیا ہے۔ پہلے کرتار پور کا محلِ وقوع کا جائزہ لیتے ہیں۔ کرتار پور لاہور سے 145 کلومیٹر کے فاصلے پر بھارتی سرحد پر واقع ہے وہ مقام ہے جہاں گورونانک نے زندگی کے آخری 18 سال گزارے تھے۔ نارووال والی یہ سڑک ٹوٹی پھوٹی اور خراب ہے، اس لئے یہ سفر کم از کم ساڑھے تین گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے۔ کرتار پور پر بابا گورونانک کی عالم بالا کی طرف رُخصتی کے مقام پر ایک گوردوارہ ہے جو بھارتی سرحد سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ بیچ میں تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کا دریائے راوی کا پاٹ ہے۔ یوں سمجھیں کہ جیسے بھارتی سرحد کے ساتھ جڑا ہوا ایک گوردوارہ ہے جس کا ایک دروازہ بھارت میں کھلتا ہے۔ میں کرتار پور پراجیکٹ کے افتتاح پر وہاں گیا تھا اور میں نے اس کے ڈیزائن کو دیکھا ہے۔ یہ دراصل سرحد کے ساتھ ساتھ چار مربع کلومیٹر کا ایک احاطہ ہوگا جس کو چاروں طرف سے مضبوط فصیل (Fence) نے گھیرا ہوگا، جس کا ایک دروازہ بھارت کی طرف کھولا گیا

ہے۔اس سے پہلے بھارتی سکھ دریا کے پار بھارت میں کھڑے ہوکر گوردوارہ کے درشن کیا کرتے اور بھیگتی آنکھوں واپس چلے جاتے۔ اب وہ اس دروازے سے فصیل زدہ گوردوارے یا علاقے میں ایک دن کو داخل ہونگے، درشن کریں گے، ماتھا ٹیکیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔ یہ واحد دروازہ ہے جو یک طرفہ ہے اور پورے کا پورا پانچ مربع کلومیٹر علاقہ ایک مقدس گوردوارہ ہے جس میں صرف سکھ داخل ہوسکتے ہیں اور وہاں بھی مذہبی قانون بہت سخت ہیں۔ یہاں دراصل سکھوں کے لئے روزانہ ایک بہشتی دروازہ کھلے گا اور وہ ایک دن کی اجازت سے یہاں آکر واپس چلے جائیں گے۔اب اس جھوٹ، افتراء اور بہتان کی بات کرتے ہیں کہ یہ سب قادیانیوں کو سہولت دینے کیلئے کیا جارہا ہے۔ اس وقت قادیانی ربوہ سے براستہ امرتسر قادیان جاتے ہیں اور پورا راستہ موٹرویز اور شاندار سڑکوں سے منسلک ہے۔ ربوہ سے لاہور 170 کلومیٹر ہے اور لاہور سے قادیان براستہ امرتسر 102 کلومیٹر۔یہ سارا سفر سات سے آٹھ گھنٹوں میں بہترین سڑکوں پر مکمل ہوتا ہے۔ اب قادیانیوں اور حکومت کی ملی بھگت سے قادیانی پہلے ربوہ سے 170 کلومیٹر سفر کرکے لاہور آئیں گے۔ پھر یہ بیوقوف 102 کلومیٹر صاف شفاف روڈ چھوڑ کر 145 کلومیٹر ٹوٹی پھوٹی روڈ پر کرتارپور جائیں گے اور پھر وہاں سے 44 کلومیٹر مزید فاصلہ طے کرکے ایک اور بوسیدہ سڑک پر سفر کرکے قادیان پہنچیں گے۔یعنی سفر کی اذیت کے علاوہ وہ چار گھنٹے مزید سفر بھی کریں گے۔لیکن کمال ہے اس عصبیت اور منافقت کا جو عمران خان کی دشمنی میں ہمارے مذہبی طبقے کو بھی جھوٹا پروپیگنڈا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ میرا دکھ یہ ہے کہ وہ سارے قادیانی جن کے خلاف میں پرچم اُٹھا کر کھڑا ہوتا، وہ مجھے جب ایسے جھوٹ پر مبنی بیہودہ اور بے سروپا الزامات والی گفتگو بھیجتے ہیں تو میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ایسی گفتگو کرنے والے سوچیں کہ یہ قادیانی تمہارے اس جھوٹے پروپیگنڈے کو اپنی اولاد کے سامنے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوں گے کہ دیکھو یہ ہیں وہ لوگ جو چھوٹی سی سیاسی کامیابی کے لیے بھی اتنا بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں۔ان پر تم کیسے اعتبار کروگے۔ ایسے میں اگر ایک سلیم الفطرت قادیانی بچہ بھی دین کی طرف مائل ہونے سے رُک گیا تو اس کا گناہ ان تمام مذہبی لوگوں پر ہوگا جو جھوٹ کو سیاست کے لیے استعمال کرتے رہے۔

***

آدم چغتائی کی یاد میں

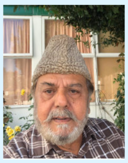

(مرزا عبدالرحیم انور)

آج کی یہ محفل مکرم ومحترم آدم چغتائی صاحب مرحوم ومغفور کی یاد میں سجائی گئی ہے سجائی کا لفظ اسلئے استعمال کیا ہے۔ سجاوٹ تو ہوتی ہی اسلئے ہے کہ نکھارا جائے حسن کو دوبالا کیا جائے۔ اس سے پہلے کہ خاکسار کچھ اپنے خیالات اور چند یادیں جو آدم چغتائی صاحب سے وابستہ رہی ہیں ذکر کرے یہ ضروری سمجھتا ہے کہ عرض کروں۔ نا اس عاجز کی زباں میں وہ تلفظ ہے نہ وہ لہجے میں ترنم ہے، نہ وہ آنکھوں میں چمک ہے، نہ وہ تبسم ہے جو محترم آدم چغتائی کو ملنے پر ہی اُن کے چہرہ پر ظاہر ہوتا تھا۔لوگ دوست احباب ملتے ہیں کچھ روزانہ ملتے ہیں کچھ وقفوں کے بعد ملتے ہیں کچھ سالوں بعد ملتے ہیں اور ہر ایک سے ملنے کا وقتی طور پر انسان کے ذہن اور لاشعور پر اثر ہوتا ہے، اور وہ اثر کچھ لمحے، کچھ گھڑیاں، کچھ دن گذرنے کے ساتھ ساتھ وقت کے دھاروں میں ادھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے، اور کچھ لوگوں سے ملنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اِن کو ملنے کی بہت خواہش تھی انتظار تھا اور مل کر تسکین اور ان کہی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی ہی شخصیت مجھے آدم چغتائی صاحب کے ساتھ مل کر ہوتی تھی۔ ابتدائی ملاقاتوں میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ کے زمانے میں کچھ محفلوں میں آیا کرتے تھے۔ عبیداللہ علیم صاحب مرحوم کے تعارف سے پہلے کم سے کم مجھے اُس زمانہ میں چند شعراء سے واقفیت تھی جن میں کچھ تو ربوہ کے تھے اور کچھ سے ذاتی تعلقات بھی رہے۔ جن میں عبدالمنان ناہید مرحوم بھی شامل ہیں مکرم ومحترم افتخار ایاز صاحب ہیں جن کو اپنے بڑے بھائی جان بچپن سے ہی سمجھتا ہوں، مکرم امام عطاء المجیب راشد صاحب ہیں اور پھر اُبھرتے ہوئے مبارک صدیقی صاحب، مبارک ظفر صاحب ہیں اور اب ماشاء اللہ رانا عبدالرزاق صاحب بھی، تو شعراء کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ ہر ایک ستارہ ہے اور اپنی اپنی چمک سے دمک رہا ہے، ہم اُن کی قدر کرتے ہیں۔ آدم چغتائی صاحب بھی ایک ستارہ تھے اور علم وادب کے میدان میں درخشندہ ستارے تھے۔ اور انگلستان میں اردو ادب کا پودا لگانے والے بھی آپ ہی تھے اور آپ کی شاعری بھی آپ کے خاندان کی طرح سفر منفرد گہری اور صاف وشفاف ندی کی طرح تھی جس میں ترنم بھی تھا۔ سرور وفا کی ملاوٹ بھی اور محبت اور خلوص سے لپٹی ہوئی مسکراہٹ تھی اور خاکسار کو شروع میں میں اس لئے بھی اُن کی شخصیت پر پہلے اور پھر شاعری کی طرف دِلچسپی اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ وہ مغل چغتائی تھے اور میں بھی مغل ہوں اور صحیح مغل تھے، لیکن پھر اُن کی شاعری تھی پھر اپنے آباء واجداد کا تعارف کروایا تو وہ مجھ سے بہت محبت اور گرم جوشی سے بغلگیر ہوئے اور جیسے مُجھ سے خونی رشتہ ہوا اور آپ یقین کریں کہ آج جو بھی خاکسار اِن ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بیان کیا ہے اِس کے پیچھے اُن کی محبت اور مسکراہٹ اور وہ اپنا پن تھا جسے بھلانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرماتا رہے اور اُن جیسے ادیب اور پُرخلوص شاعر اور اردو زبان کو زندہ رکھنے والے پیدا کرتا رہے۔ آمین

مشاعرہ بیادِ آدم چغتائی

رپورٹ
و فوٹو
عاصی صحرائی

مورخہ ۲۸ ؍اکتوبر کی شام کو ڈیبائڈ ہال ٹوٹنگ لندن میں مشہور شاعر آدم چغتائی مرحوم کی یاد میں ایک مشاعرے کا انعقاد ہوا جس کے مہتمم رانا عبدالرزاق خان ایڈیٹر ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن تھے۔اس موقعہ پر محترم ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب صدر محفل، پروفیسر جناب مبارک احمد عابد، مرزا امجد اور آدم چغتائی کے بیٹے مہمانانِ خصوصی تھے۔تلاوت پروفیسر عبدالقدیر کوکب صاحب نے کی۔حمدیہ کلام جناب محمد اسحاق عاجز نے پڑھا۔اس کے بعد جناب رانا عبدالرزاق خان نے محترم آدم چغتائی کے متعلق ایک مقالہ پڑھا۔جس میں ان کی علمی اور ادبی کاوشوں کو سراہا گیا۔دوسرا مقالہ پروفیسر عبدالقدیر کوکب صاحب کا تھا۔جس میں ان کے کردار کو بہت ہی خوبصورتی سے بیان کیا گیا۔ان کے بعد جناب احسان اللہ قمر کی باری تھی جنہوں نے آدم چغتائی کی شاعری پر کافی طویل تبصرہ کیا۔ہمارے بہت ہی محترم جناب مصنف، شاعر اور ادیب چودہ کتب کے مصنف امجد مرزا امجد نے اپنا مقالہ پڑھا جو کہ اسی شمارے میں شائع بھی دیا گیا ہے۔

اس کے بعد جناب محترم ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب صدر محفل کی باری تھی۔آپ نے ان کی زندگی، خاندانی حالات، اُن کی ادبی سرگرمیوں اور شاعری پر کافی روشنی ڈالی۔اور ان کی ۸۳ سالہ زندگی کو ایک شاندار زندگی قرار دیا۔آدم چغتائی کو جو شعر و ادب سے پیار اور لگاؤ تھا اس پر خوب تبصرہ کیا۔آخر میں آدم چغتائی کے بڑے صاحب زادے نے اپنے والد صاحب کے اوصاف بیان کئے۔اس کے بعد مشاعرہ شروع ہوا۔جس میں پہلے عاصی صحرائی نے اپنا کلام سنایا، رمضان شائق اور پروفیسر عبدالقدیر کوکب، محمد اسحاق عاجز، محمود علی محمود، واحد اللہ جاوید، ، امجد مرزا امجد، پروفیسر مبارک عابد نے کلام سنایا۔جو کہ سامعین نے بہت پسند کیا۔
سامعین نے اس پروگرام کو بہت سراہا۔اور آئندہ بھی ایسی مجالس منعقد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔رات دس بجے اس مجلس کا اختتام ہوا۔

اظہارِ خیال (فرخندہ رضوی خندؔہ) ریڈنگ (انگلینڈ)

مصنفہ (فرزانہ فرحت) انگلینڈ

آنسو کو پھول بنتے دیکھا

کہتے ہیں انسان جب اپنی سوچ کو مضبوطی سے پکڑ لے تو قلم کی گرفت پر شک نہیں رہتا۔لفظوں کی خوبصورتی پر خود بخود نکھار آنے لگتا ہے۔ایک لکھاری چاہے وہ مصنف ہو یا شاعر خیالات کو یک جا کرنے کے لیے کتنی مشقت کرتا ہے لفظوں کو اکٹھا کرنا ہی پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔میں آج کافی مہینوں کی غیر حاضری کے بعد قلم سنبھالے بیٹھی ہوں قلم کا نشہ اور میرا وجود کبھی الگ الگ نہیں ہوئے بس چار ماہ سے میں اور میرا قلم ایک ساتھ چل نہیں پائے دراصل میرے ہاتھ کے انگوٹھے کی ہڈی میں انجکشن لگا تھا ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کچھ دن قلم کاغذ کو دُور اور لکھنے کا سلسلہ منقطع کئے رکھا۔میرے پاس وہ کتابیں جو میرے سب دوستوں نے بذریعہ پوسٹ ارسال کر رکھی ہیں مسلسل اتنے دن میرا منہ چڑھاتی رہیں کہ ایک لفظ بھی لکھ کر شکریے کا ادا نہیں کر پائی۔اب جب کہ تھوڑا سا لکھنا شروع کیا تو پہلی کتاب جس پر چند لفظ لکھنے کا ارادہ کیا میری بہت پیاری قابل قدر دوست جو انگلینڈ میں ہی مقیم فرزانہ فرحت صاحبہ کی ہے۔لفظوں کا خزانہ درد بنا آنکھ میں اُترا...سُنا ہے اسے آنسو کہتے ہیں۔جی ہاں اس شعری مجموعے کا نام (آنسو) ہے فرزانہ فرحت کی کتاب جس محبت سے مجھ تک پہنچی اُس سے کہیں زیادہ محبت سے میرے پر فرض ہو گیا کہ میں تمام نگارشات کا مطالعہ کروں اور پھر شاید چند لفظ ہدیہ تشکر میں پیش کر سکوں۔کتاب اشاعت کے تمام مراحل سے گزر کر آنسو کی شکل میں جلوہ فروز ہوئی۔حسین سرورق سے آراستہ مضبوط جلد اور روشن کتابت وطباعت سے مزین ۱۲۸ صفحات پر مبنی شعری مجموعہ آنسو آنکھ کے بجائے میرے ہاتھ میں ہے۔اس آنسو کا لمس میرے ہاتھ سے میری آنکھوں میں ہی اُترنے لگا۔کتاب کے ابتدا میں چار خوبصورت شخصیات نے فرزانہ فرحت کی کاوشوں کو سراہا آنسو کی شاعری پر الگ الگ اپنے انداز سے گفتگو کی ہے۔ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے فرزانہ کی نظموں کے آئینے میں مصنفہ کا چہرہ دیکھا۔مظفر احمد ظفر صاحب جو کہ ادبی دنیا کی اعلیٰ شخصیت جنکا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے علم و عروض کی ایک دنیا آباد ہے ان کے اندر ہر نئے لکھنے والے کی (حوصلہ افزائی کرتے ہیں جب کہ ایسا کم ہوتا ہے) فرزانہ فرحت کے بارے میں انکا خیال کہ نسائی لب و لہجے میں خوشگوار اضافہ ہے ان کا لکھنا۔میں اِن تمام شخصیات کے

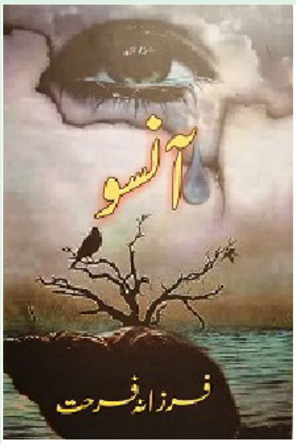

لکھے لفظوں پر کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتی صرف مطالعے کے بعد جس طرح فرزانہ کی شاعری نے متاثر کیا اس پر چند لفظ ایمانداری سے لکھنے کی کوشش کروں گی۔فرزانہ فرحت کی اس شعری مجموعے آنسو سے پہلے بھی دو شعری مجموعے (خواب خواب زندگی) (بدلتی شام کے سائے) جن پر پہلے بھی چند لفظ لکھ چکی ہوں یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے...اور آنسوان کا تیسرا شعری مجموعہ ہے آنسو، کا انتساب انہوں نے اپنی پیاری بیٹیوں سارہ اور مدیحہ کے نام کیا ہے۔یہ بچوں کی خوش قسمتی ٹھہری۔حمد و نعت سے کتاب کی شروعات اور یہ سفر غزلوں اور نظموں کو ساتھ لئے اختتام پذیر ہوا۔خالق ارض وسما جس سے یہ کائنات کے مظاہر و موجودات معرض وجود میں آئے اسی کے نور کی ابتدا حمد سے !

حمد ہے سانس سے بھی قریب تَر جو اُسی کو ہر دَم قریب رکھنا
بلندیوں پَر قدم جما کر بلند اپنا نصیب رکھنا

احمد کے سرور میں ابھی ڈوبی تھی کہ ورق گروانی کرتے ہی نعت شریف کے اشعار اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔

علاج غم کریں آقا، مرے آنسو گُہر کر دیں
مرے ویران گھر پر آپ رحمت کی نظر کر دیں
زمانے میں مسرت آپ نے دی ہر دُکھی دِل کو
قبولیں اشک یہ، میری عقیدت معتبر کر دیں
(سبحان اللہ)

کتاب کی خوبصورتی کا اندازہ یہی سے شروع ہوا تو تمام غزلوں اور نظموں نے میری دلچسپی اور بڑھادی۔پھر میں پہلے صفحے سے آخری صفحے تک کب پہنچی خبر ہی نا ہوئی ایک مصنفہ کی تحریروں میں ایسے کھو جانا علامت ہے محنت کی۔قلمکار نے جو اس کتاب کی مصفہ ہیں اظہار خیال میں خاص طور پر علامات کی زبان کا استعمال کیا ہے۔اس کی مثال غزل کے ان اشعار میں بدرجہ اُتم موجود۔

میری کشتی کیلئے کوئی نہیں ہے بادباں
اِک کھڑا طوفان ہے ان بادبانوں سے پرے
باغباں تیرے چمن میں ہے بہار آئی ہوئی
ہیں مگر سوکھے شجر بھی گُلستانوں سے پرے

فرزانہ فرحت صاحبہ نے اپنی غزلوں میں اخلاقی اور معاشرتی سچائیاں دِل کھول کر بیاں کی ہیں ،فکر وخیالات کے مختلف زاویئے کے ساتھ ساتھ شعری منصب کو بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔بہت سی غزلوں کے اشعار اپنی طرف متوجہ کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔مثلاً۔

کُھلی جو آنکھ وہی نفرتوں کا منظر تھا
میں سو رہی تھی محبت کے خواب اوڑھے ہوئے

واہ واہ...ایک اور ایسی ہی غزل سے خوبصورت شعر جس میں زندگی کے اُتار چڑھاؤ کا منظر نمایاں نظر آتا ہے۔

اسی لیے مرے شعروں میں درد رہتا ہے
کٹی ہے عمر مری رنج و غم کماتے ہوئے

میرا خیال ہے تلخ حقائق کو شعری ہیت اور مسائل سے نبرد آزمائی کے سیاق میں پیش کرنا آسان نہیں اسی طرح ان کی ایک اور خوبصورت غزل بھی تپتے صحراؤں کی ہواؤں کو مُٹھی میں بند کرنا ،شعلوں کی رِدا اوڑھ کر چلنا وہ سب ملنے ،بچھڑنے کے سارے منظر پھر کچھ یوں بیان کرتی ہیں۔

میرے رستے میں رہا ہے کوئی جلتا صحرا
مجھ پہ بادل کی طرح اَب کوئی چھائے منظر
تیرے ہمراہ جو بھاتے تھے نظارے مجھ کو
بن ترے اَب وہی مجھ کو نہ بھائے منظر

ان کی ہر غزل نے بہت متاثر کیا انہیں بخوبی احساس ہے کہ ہمارے اردگرد بے شمار مسائل کروٹیں لے رہے ہیں کچھ تو ہم لفظوں کی مالا میں چُن لیتے ہیں اور بہت سے ایسے دنیا کو پیش نظر رکھ کر چھوڑ دیتے ہیں جن پر مکمل اظہار ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔جس طرح اب اشعار میں میری بات کی وضاحت کچھ یوں ملے گی۔

داستاں درد کی اشعار میں ڈھالی جائے
اس طرح پیار کی جاگیر سنبھالی جائے
اپنی آنکھوں کو دکھا کر کوئی اِک خواب حسیں
دو گھڑی کو ہی سہی بزم سجالی جائے

شعری مجموعہ آنسو مکمل داستان ہے ہر موضوع کو تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اشعار کی صورت میں ڈھال کر مہر ثبت کی ہے۔کسی بھی موضوع میں کسی نہ کسی پہلو سے ندرت اور تازگی پیدا کرنے کی کچھ گنجائش چھوڑ دی جائے تو نئے منظر نامے بنانے میں آسانیاں ہوتی ہیں۔۔آنسو ایک خوبصورت کتاب ہے پڑھنے والوں کو بہترین کلام ملے گا۔۔غزلوں سے نظریں تھوڑی دیر کیلئے ہٹائیں تو نظمیں اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہیں جسمیں سرِفہرست اے ماں ،ظُلم کی داستانیں ،چناب کا کنارہ ،جسمیں فرزانہ فرحت نے دِل کھول کر وہ تمام منظر پیش کیے ہیں جس چناب کو اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا ہے۔۔کہتی ہیں

مجھے یاد ہیں ابھی تک مرے شہر کی فضائیں
وہ حسین میرا بچپن، وہ شباب پیارا پیارا

اُس تمام گزرے وقت کو اس نظم میں سمیٹ لائی ہیں...شعری مجموعہ آنسو کے کچھ اشعار تو غور وفکر پر مجبور کرتے ہیں۔اس قسم کے اشعار کن حالات میں تخلیق ہوتے ہیں یہ ایک شاعر ہی جانتا ہے جس طرح اس کتاب آنسو ،، کی غزلوں ،نظموں کا مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر نذیر فتح پور (انڈیا) لکھتے ہیں کہ غزل کی خوبی یہی ہے کہ وہ پرت دَر پرت زندہ رہتی ہے میں اِن کی اس بات کی تائید کرتی ہوں کہ فرزانہ فرحت صاحبہ کی ہر غزل کے ہر اشعار نے خود کو پردوں میں ڈھانپ رکھا ہے۔جب جب قاری پڑھتا جائے گا ہر پردے سے نئی کہانی خیر مقدم کرتی ملے گی۔ایک ایسی ہی غزل سے چند اشعار۔

آنکھوں میں بس گیا ہے یہ منظر کوئی نیا   راضی صنم ہوا ہے تو راضی مرا خدا
میں جانتی ہوں یا مرا ہے جانتا خدا   مرا رہا ہے کس قدر دشوار راستہ

لفظوں کی مقاطیسی کا اندازہ ہر اُس قاری کو ہوگا جو اِس شعری مجموعے ’’آنسو‘‘ کا مطالعہ کرے گا۔کتاب کے مصنف کے لیے جب ہم کچھ لکھتے ہیں تو گویا ہم اُس لکھاری سے ہمکلام ہوتے ہیں لہٰذا اپنی گفتگو کا اختتام اِس بات پر کہ کہا تھا فرزانہ جی محبتوں کے قرض چُکانے پڑتے ہیں وعدے کے مطابق اور وقت کی پہلی فرصت آپکے نام کردی۔حمد ونعت کا سفر غزلوں اور نظموں پر اختتام تک پہنچا اور میں نے آنسو کو پھول بنتے دیکھا جس کی خوشبو ایک مدت تک قاری کے دل ودماغ کو معطر رکھے گی۔بہت سی دعائیں کہ تازہ شعری مجموعہ آنسو پہلی کتابوں کی طرح پذیرائی حاصل کرے۔آمین جاتے جاتے زورِ قلم اور زیادہ کی دعا کے ساتھ آپ کے اشعار پر ہی اپنی تحریر کا اختتام کروں گی۔

نہ جانے کیوں میں رستوں کے بھنور میں قید ہوں اَب تک
مری منزل مجھے کیوں بے نشاں معلوم ہوتی ہے

بہت سی دعا کے ساتھ۔قلم کار دوست
فرخندہ رضوی خندہؔ (ریڈنگ)انگلینڈ

لعنتوں کا موسم

اصغر علی بھٹی، نائیجر مغربی افریقہ

آج کل وطن عزیز میں لعنتوں کا موسم چل رہا ہے۔ ہر کسی کو جلدی ہے کہ وہ یہ نایاب تحفہ جلدی سے جلدی اپنے بھائی کے گھر تک پہنچا دے۔ داڑھی والے ہوں یا ساڑھی والے، اپنی اپنی اوقات اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اس میں حصہ ڈالے چلے جا رہے ہیں۔ آنکھیں بند، سر نیچے اور منہ کھلے ہوئے ہیں۔ کیا ہی کمال کا موسم پایا ہے میرے وطن نے۔ مولوی خادم حسین رضوی صاحب جناب حنیف قریشی صاحب پر لعنت ڈال رہے تھے تو مولوی منظور مینگل صاحب مولانا طارق جمیل صاحب پر لعنت ڈال رہے تھے، مولوی خورشید صاحب فخر سیالکوٹ جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب پر لعنت ڈال رہے تھے تو ڈاکٹر اشرف جلالی صاحب سارے کانگریسی ملاؤں پر لعنت ڈال رہے تھے۔ مولانا عبد الغفور حیدری صاحب دھرنے کے مقدس سٹیج پر بیٹھے یہ سب سن رہے تھے چنانچہ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ عمران خان وزیر اعظم پاکستان ابوجہل ہے اور اس کی یہ حکومت اور پارٹی دجال ہیں اور پھر لعنت کا مقدس تحفہ اس دجال اور ابوجہل کو واپس بھجوا دیا۔ اب حکومتی حاشیہ نشین بلکہ بقول رؤف کلاسرا صاحب حکومتی طبلچی پریشان تھے کہ اب اس لعنتوں بھرا ٹوکرے کا یہ تحفہ ہم کس کی درگاہ پر پہنچا کر اپنے خان کے حضور سرخرو ہو سکتے ہیں تو ایسے میں ریحام خان صاحبہ کے ڈالے ہوئے بدبودار کیچڑ سے تازہ تازہ منہ دھو کر آنے والی زرتاج گل صاحبہ اور اسلام آباد کی بھینسوں والے دہشت گرد سے جان چھڑا کر بھاگے ہوئے اعظم سواتی صاحب کو راستے میں مفتی کفائت اللہ صاحب نے گھیر لیا۔ اب اس سے پہلے کہ وہ آپ کو مزید لعنتوں کی جلیبی کھلاتے آپ نے اپنی سابقہ لعنتوں والی بریانی کی اُلٹی یعنی قے جماعت احمدیہ کی مسجد میں جا کر کر دی اور اپنا معدہ مزید لعنت کھانے کے لئے خالی کر دیا۔ اب ہمارے کچھ معصوم احمدی بھائی ناراض ہیں کہ یہ چوول اپنی قے کہاں پر پھینک گیا ہے تو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں آپ ﷺ کے زمانے ہی سے بدو ایسی ہی حرکات کرتے تھے نبی پاک ﷺ انہیں سونے کے لئے بستر ا دیتے تو یہ اس میں پیشاب کر جاتے اور مسجد میں رہنے کے لئے جگہ دیتے تو اس میں پاخانہ کر جاتے اس لئے اپنا اپنا نسب ہے اور اپنا اپنا ظرف ہے۔ سو تم دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو...

ملعون لیڈرز

طاہر احمد بھٹی

پاکستان تحریک انصاف کے وفاقی وزیر اعظم سواتی نے ایک ٹی وی چینل کے لائیو پروگرام میں بلا وجہ اور بلا اشتعال، صرف ایک مفتی کفایت اللہ کو شٹ اپ کروانے کے لئے بلا جھجک اور بے دھڑک جماعت احمدیہ پر لعنت بھیج دی اور اپنے موقف کو مضبوط اور مستند بنانے کے لئے ساتھ وزیر اعظم کو بھی شامل کر لیا۔ اور جب یہ آفیشل اور سرکاری کھچ ماری جا رہی تھی تو سکرین پر سرکردہ اینکرز مالک صاحب اور مہر عباسی بھی منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اگر ہماری نظر میں اعظم سواتی کی کوئی مذہبی یا روحانی حیثیت ہوتی، یا وزیر موصوف کی ذات سے خدا شناسی، خدا ترسی اور خدا رسیدگی کے کچھ دھاگے اُلجھے ہوتے تو یقینی بات ہے کی ان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر فکر بھی لاحق ہوتی، اور احمدیوں کو اس کے تدارک کی بھی فکر ہوتی لیکن اعظم سواتی کی پیدائش سے بھی پہلے اس نوعیت کے اعلیٰ اوصاف پاکستان کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی اُفق سے رُخصت ہو چکے ہیں اور اپنی جگہ تاریک، نیم تاریک، مٹیالے اور ملگجے رنگ چھوڑ گئے ہیں جن میں سے نہ دن کو سورج کی روشنی پوری طرح گزر کے آ سکتی ہے اور نہ راتوں کو چاندنی کو رستہ ملتا ہے کہ وہ بلا روک ٹوک اس سرزمین کو نور بخشنے آ سکے۔ بقول شاعر:

جو ابر ہے سو وہ اب سنگ و خشت لاتا ہے
فضا یہ ہو تو دلوں میں نزاکتیں کیسی...؟

اندریں حالات معاشرے کی اکثریت کے پاس ٹامک ٹوئیاں ہی بچتی ہیں سو وہ جتنی مرضی مار لیں۔ سمت کا تعین، راستے کا ادراک اور منزل سے شناسائی ایسے مسافروں کا نصیب نہیں ہوتی۔ اور دکھ یہ ہے کہ یہ سر پٹختا اور ٹھوکریں کھاتا ہجوم ہمارے ہم وطنوں پر مشتمل ہے اور ان کی سربراہی کرنے والے کوّے اور چیلیں ہیں اور عربی کے زمانہ جاہلیہ کے ایک شاعر کا سماجی شعور بھی اتنا روشن تھا کہ وہ یہ بات کہتا تھا کہ، اگر کوے اور گدھ تمہارے راہنما ہوں گے تو وہ ضرور تمہیں مردار تک پہنچا دیں گے، کیونکہ ان کی منزل ہی مردار ہیں۔ مفتی کفایت اللہ اور دیگر ملاں تو اس زمانے میں طے شدہ گدھ ہیں جو اوّل معاشرے کی انسانی اور سعید قدروں کو موت تک پہنچا کر پھر اس مردار خوری سے اپنی زندگی کشید کرتے ہیں۔ اور ان گدھوں کے رابطہ کار، سہولت کار اور بعض اوقات ان کے سپورٹر اور سپوکس پرسن وہ سیاستدان، وہ صحافی اور وہ دانشور ہوتے ہیں جو اپنی سروائیول

اور نمود کا رس ان گدھوں اور مرداروں سے کشید کرتے ہیں۔ بات مزید آگے بڑھانے سے قبل قارئین کو اپنے ایک مرحوم اور غیر معروف شاعر دوست ارشد طارق کا ایک شعر سنا دوں، جو کوئی پچیس برس قبل ان سے سنا اور آج یہ سطور لکھتے ہوئے برمحل ہونے کی وجہ سے اچانک حافظے میں تازہ ہو گیا۔

گدھ کی چونچ پہ جب خون شہر دیکھا تھا
چشم حیراں نے کئی بار، ادھر دیکھا تھا

یہ بات درست ہے کہ وہ بیان چونکہ حکومت کے ایک وفاقی وزیر کا تھا اور اس میں وزیر اعظم کا نام لے کر ساتھ شامل کیا گیا ہے اور مین سٹریم میڈیا کے مشہور اینکرز کے سامنے وہ بات کی گئی ہے اس لئے سماجی اور سیاسی ریکارڈ کی خاطر جماعت احمدیہ پاکستان کے ترجمان سلیم الدین صاحب نے اپنے ٹویٹر ہینڈل سے اس پر تشویش اور اس کی تردید بھی کی ہے اور دیگر شرفاء کو بھی اس پر تشویش ہے لیکن آپ سے سیاسیات اور سماجی تاریخ کے طالبعلم بھی تو پوچھتے ہیں کہ جناب آپ کو لعنت کے لفظ کا شعور بھی ہے کہ نہیں؟ دوسرے یہ کہ ناکامی و نامرادی اور سماجی ابتری اور معاشی بدحالی کو آپ کس کھاتے میں شمار کرتے ہیں؟ تعلیمی پسماندگی، صحت اور سلامتی، معاشرتی امن، سیاسی عدم استحکام، ریاستی طور پر متزلزل خودمختاری اور ادارہ جاتی بدنظمی اور بدحالی کو آپ کس مد میں شمار کرتے ہیں؟ اسی طرح حقوق انسانی کی عدم فراہمی، آئین و قانون کی مثالی پائمالی، گلی کوچوں میں پائے جانے والے عام طور پر احساس عدم تحفظ اور مستقبل کا خدشات اور خطرات کی دھند میں غائب ہو جانا... یہ ایک معاشرے اور ملک کے لئے کیا ہوتا ہے؟ اس کے علاوہ بے شمار اشارئیے ہیں جو ایک جاری تنزل اور بڑھتی ہوئی بدحالی پر دلیل ہیں۔ ان تمام اقسام کی لعنتوں کی کشتی میں بیٹھ کر بلکہ لعنت کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر ایک ایسی جماعت پر لعنت ڈالنا جس کی.. تعلیمی حالت مثالی ہے جنہوں نے صحت کی سہولتوں کا بین الاقوامی معیار کا بندوبست اپنے طور پر کر رکھا ہے۔

جن کی معیشت دنیا کے کسی ملک میں بھی مقروض اور دوسروں پر انحصار کرنے والی نہیں ہے۔ جن کی معاشرت مثالی سطح کی پر امن ہے۔ جن کا منظم ہونا بین الاقوامی فورمز پر رشک سے دیکھا جاتا ہے۔ جن کی لیڈرشپ ان کی اجتماعی خوبیوں کی آئینہ دار... یعنی درحقیقت، امامکم منکم کی حقیقی مصداق ہے۔ اور جن کا تعلق باللہ اور توکل علی اللہ آپ کی سرحد ادراک سے آگے واقع ہے ایسی جماعت پر لعنت بھیجنے کے لئے آپ جیسی سطح جہالت اور بے حس قیادت اور قابل مذمت شقاوت ہی درکار ہے، اور آپ ان اوصاف سے مالا مال ہیں۔ یہ کیفیاتی، احساساتی اور نظریاتی جواب تھا جو آپ کو نہیں بلکہ آپ کی وجہ اور حوالے سے پاکستان سے تعلق رکھنے والے دنیا بھر میں موجود سعید الفطرت طبقے کی سہولت کے لئے لکھا گیا ہے کہ ان کے حافظے میں رہ جائے۔ اور خدا تعالیٰ کی آئیندہ میں ظاہر ہونے والی رحمتوں اور لعنتوں میں فرق کرنے کے لئے مددگار ہو۔ اور آج کے مضمون کا عنوان میں نے بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک اقتباس سے لیا ہے جس میں آپ اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے ہدایت فرما رہے ہیں کہ:

تم دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو — کہ یہ دن کو رات نہیں کر سکتی

البتہ خدا کی لعنت سے ڈرنے کے لئے کہا کہ وہ جس پر پڑے اس کی دونوں جہانوں میں بیخ کنی کر دیتی ہے۔

کرتارپور راہداری

'میرے لیے تو ایسا ہی ہے جیسے میں اپنے میکے آئی ہوں'

پاکستان اور انڈیا کے درمیان کرتارپور راہداری کے باقاعدہ افتتاح نے پرمندر کور کو اپنے 'میکے' جانے کا موقع دیا ہے۔ وہ انڈیا کے شہر پٹیالہ سے پاکستان کا ویزہ حاصل کر کے زندگی میں پہلی مرتبہ پاکستان کے ضلع نارووال میں واقع کرتارپور گردوارہ دربار صاحب آئی ہیں۔ ان کے لیے کرتارپور آنا ایسے ہے جیسے 'بیٹی' اپنے میکے جاتی ہے۔ یہ ہمارے گرو کا گھر ہے اور گرو باپ کے درجے پر ہوتا ہے۔ میرے لیے تو ایسا ہی ہے جیسے میں اپنے میکے آئی ہوں'۔

کرتارپور لانگھا کھلنے کا مطلب ہے اب وہ بغیر ویزہ کے با آسانی جب چاہیں دربار صاحب کے درشن کو آ سکتی ہیں۔ ان کے ساتھ آنے والی سرندر کور اس سے قبل زیادہ سے زیادہ دربار صاحب کے درشن سرحد کے اس پار انڈیا کے علاقے میں قائم درشن پوائنٹ ہی سے کر سکتی تھیں۔ 'مجھے تو وہاں سے صحیح نظر ہی نہیں آتا تھا کہ گردوارہ ہے کدھر۔ اب یہاں آ کر پتہ چلا ہے اور دل خوش ہو گیا'۔

وہ گردوارہ میں اس دروازے سے داخل ہوئیں تھیں جو پاکستان کا ویزہ

لے کر آنے والوں کے لیے مختص تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ہال کے ایک طرف جوتے جمع کروائے اور جب گرودوارے کے وسیع وعریض صحن میں داخل ہوئیں تو رک گئیں اور اپنی زبان میں تعریفی کلمات کہنے لگیں۔ دربار صاحب کی موتی کے مانند نظر آتی سفید عمارت کئی ایکڑ پر محیط صحن کے عین درمیان میں کھڑی ہے۔ اس کے اندر موجود درشن کرتے یاتریوں کی ایک بڑی تعداد پہلی مرتبہ یہاں آ رہی تھی۔ وہ امریکہ، کینیڈا، برطانیہ اور انڈیا سمیت دنیا کے مختلف ملکوں سے پاکستان پہنچے تھے۔ رنجیت کور امریکہ سے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ آئی ہیں۔ 'میری 62 سال عمر چکی ہے اور اتنے برسوں سے میری خواہش تھی کہ میں کبھی کرتار پور جا سکوں۔' وہ توقع نہیں کر رہیں تھیں کہ ایسے مناظر انھیں دیکھنے کو ملیں گے۔ 'یہ بہت ہی اعلٰی ہے جی۔' ان کی ساتھی جگندر کور بھی سمجھتی ہیں کہ گرودوارہ دربار صاحب بہت کشادہ ہے اور 'خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا ہے۔' گرودوارے کی مرکزی عمارت کے چاروں اطراف کشادہ برآمدے تعمیر کیے گئے ہیں۔ ایک طرف دیوان استھان ہے تو دوسری جانب لنگر خانہ اور میوزیم بھی موجود ہیں۔

یاتری جب گورودوارے میں داخل ہوئے تو زیادہ تر لوگ مرکزی عمارت کے عقب میں واقع بابا گرو نانک دور کے کنویں کی زیارت کرنے کو چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بابا گرو نانک کی قبر سے ہوتے ہوئے عمارت کے اندر چلے

جاتے ہیں جہاں وہ بابا گرو نانک کی سمادھی کے درشن کرتے ہوئے پہلی منزل پر پہنچتے ہیں جہاں وہ ماتھا ٹیک کر اپنی عبادت کرتے ہیں۔ یاتری گرودوارے کی چھت پر سے انڈیا کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو جہاں کبھی کھیت اور دریائے راوی کا پاٹ دکھائی دیتا تھا اب وہاں کرتار پور راہداری یعنی وہ پکی سڑک نظر آتی ہے جو چار کلومیٹر دور پاکستان انڈیا کی سرحد سے ہوتی ہوئی انڈیا میں داخل ہو جاتی ہے۔ گرودوارہ کے صحن کے ایک چھوٹے سے حصے میں سینکڑوں یاتریوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں وہ پاکستان کے وزیراعظم عمران خان کے منتظر تھے۔ رنگ برنگے گاؤتکیوں کی ٹیک لیے وہ انتظار کرتے رہے اور جب وہ پہنچے تو لوگ ان کے ساتھ تصویر بنوانے کے لیے بیتاب نظر آئے۔ سیکیورٹی کے بندوبست اس طرح کیے گئے تھے کہ گرودوارے کے اندر باآسانی گھوم پھر سکتے تھے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو سروس)

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

Catering to your requirments
Call:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU
ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

SHARIF JEWELLERS
SINCE 1952
Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اورامیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست(ILR)
- نیشنیلٹی اورسفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیاپوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق ودیگر خاندانی معاملات
- ویزامیں تبدیلی
- اوورسٹیئرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزاتوسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائبیونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندنSW19, 1AX
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE